شادی کا اسلامی تصور

اور ہمارا طرزِ عمل

مُرتّب

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

برکات بکڈپو

Barakaath Book Depot

17-1-391/2/M/1, Khaja Bagh, Sayeedabad, Hyderabad. (A.P.)

تفصیلاتِ طباعت

نام کتاب	شادی کا اسلامی تصور اور ہمارا طرز عمل
مصنف	مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی
صفحات	۱۳۲
کمپوزنگ	سید خواجہ نصیرالدین قاسمی
قیمت	50/-
ناشر	برکات بکڈ پو، خواجہ باغ، سعید آباد، حیدرآباد
طباعت وسرورق	اے آر پرنٹرس حیدرآباد 9849766790

ملنے کے پتے

مکتبہ فیض ابرار نزد مسجد اکبری اکبر باغ، حیدرآباد۔ ۳۶	04065709415
ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ کالونی، سعید آباد، حیدرآباد۔۵۹	040-24070681
دکن ٹریڈرس، نزد پانی کی ٹانکی، مغل پورہ، حیدرآباد	04024562203
مدرسہ خیر المدارس، چودھری نگر، لاتور 02382 مہارشٹرا	09421956690
مکتبہ دینیات، نزد مدرسہ شاہ ولی اللہ، ٹیانری روڈ، بنگلور۔۵ کرناٹک	08032406733

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد عبد المغنی صاحب مدظلہ العالی
ناظم مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

شادی ہر انسان کی ضرورت ہے، اسی لئے ہر قوم و مذہب میں شادی کا رواج ہے کیوں کہ جب لڑکا یا لڑکی شادی کی عمر کو پہونچتے ہیں تو ان میں شادی کے تقاضے خود بخود پیدا ہوتے ہیں، اور فطرت کے تقاضے سے پیدا ہوتے ہیں، اسی لئے عام انسانوں سے لیکر صلحاء، اولیاء، انبیاء، تک نے بھی شادی کرنے کو ضروری سمجھا ہے، اور تنہا زندگی کے بجائے ازدواجی زندگی کو ترجیح دی ہے، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود شادی فرمائی ہے بلکہ اپنی امت کو بھی بروقت شادی کرنے کی تحریص و ترغیب دی ہے، اور مجرد رہنے کو ناپسند قرار دیا ہے، نیز بروقت شادی نہ کرنے کا سنگین اور خطرناک نتیجہ ''فسادِ عریض'' کے معاشرہ میں پھیل جانے کا انتباہ بھی دیا ہے، اسی کے ساتھ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ اللہ جو رحمٰن و رحیم ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا ہے، انہوں نے ہر عمل میں امت کی سہولت و آسانی کا لحاظ رکھا اور مشکلات سے بچایا ہے، تو شادی جیسے اہم اور ضروری عمل کو وہ مشکل اور گراں کیسے بنا سکتے تھے؟ چنانچہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سخت تاکید کی ہے کہ شادی کو اس قدر آسان بناؤ کہ زنا مشکل ہو جائے، لیکن آج کل رسم و رواج کی کثرت سے اور

نفسانی خواہشات کے غلبہ نے شادی کو مشکل سے مشکل بنادیا ہے، جسکے نتیجہ میں بدکاری نہایت آسان اور سستی ہوتی جارہی ہے۔ **اعاذنا اللّٰہ منہ** ایسے ماحول میں امتِ مسلمہ کو اس بات کا جائزہ لینے کی سخت ضرورت ہے کہ اسلام میں شادی کا تصور کیا ہے؟ اور ہمارے معاشرہ میں شادی کا تصور کیا ہوتا جارہا ہے؟ اسلام میں شادی کس سادگی کے ساتھ انجام دی جاتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں شادی کن کن غیر ضروری غیر اسلامی لوازمات کے ساتھ مہینگی اور گراں بار ہوتی جارہی ہے؟ ان تمام سوالات کا جائزہ لینے اور معاشرہ میں رائج بے ہودہ رسوم کو ختم کر کے سنت کے مطابق نکاح کے رواج کو عام کرنے کیلئے عزیز گرامی قدر برادر مکرم و محترم مولانا حافظ محمد عبدالقوی سلمہ اللہ و حفظہ نے یہ مضامین مختلف موقعوں پر تحریر کئے تھے اب ایک جگہ جمع کر کے کتابی شکل میں "شادی کا اسلامی تصور" کے نام سے شائع کر رہے ہیں جو اپنے عناوین کے اعتبار سے بہت ہی نافع اور مفید ہونے کے ساتھ ساتھ مضامین کے اعتبار سے محقق و مدلل بھی ہیں نیز دورِ حاضر کے اعتبار سے نہایت ضروری اور اہم ہیں، اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور امت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمیـــــــن **برحمتک یا ارحم الراحمین۔**

محمد عبدالمغنی غفرلہ

خادم مدرسہ سبیل الفلاح حیدرآباد

۴/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

۲۸/جون ۲۰۰۹ء بروز یکشنبہ

پیش گفتار

اس عاجز کو بفضلہٖ تعالیٰ اپنے بزرگوں کی تعلیم وتوجہ کی برکت سے اصلاحِ معاشرہ کے سلسلہ میں حسبِ حیثیت کچھ نہ کچھ لکھنے کی توفیق ملتی رہتی ہے ، جو ادارہ کے ترجمان ’’اشرف الجرائد‘‘ سابقہ ’’اشرف العلوم‘‘ میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں۔

عزیزِ گرامی مولانا سید خواجہ نصیر الدین سلمہٗ ان دنوں میرے ان سب مضامین کی جمع و ترتیب میں مصروف ہیں، انہی مضامین میں چند ایک شادی بیاہ سے متعلق بے اعتدالیوں اور کوتاہیوں کے سلسلہ میں سامنے آئے ، میں نے مناسب سمجھا کہ انہیں مستقل رسالہ کی شکل میں باضابطہ مرتب کرکے علاحدہ شائع کیا جائے ، کیونکہ آج کل اس سلسلہ میں بے اعتدالی وفضول خرچی حد سے تجاوز کرتی جارہی ہے، جس کے بھیانک اور تباہ کن نتائج آنکھوں کے سامنے آتے جارہے ہیں مگر قوم ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتی ، بلکہ ان حماقتوں میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، یہ رسالہ انہی مضامین کا مجموعہ ہے۔

بکھرے ہوئے مضامین جو مختلف موقعوں اور زمانوں میں لکھے گئے انہیں ایک لڑی میں پرونا اور مرتب طریقے پر پیش کرنا ظاہر ہے کہ بہت مشکل کام ہے، پھر بھی ایک کوشش کی گئی ہے آپ اسے ایک موضوع پر مستقل رسالہ سمجھیں یا مختلف مضامین کا مجموعہ وگل دستہ قرار دیں، میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ ان مضامین میں میں نے اہم اور ضروری امور پر کتاب وسنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کی کوشش کی ہے، میری بے ربط تعبیرات کو نظر انداز کرکے قرآن، حدیث اور اکابر واسلاف کی باتوں سے فائدہ اٹھانے کی سعی فرمائیں ۔ انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور ہر طبقہ کو ہوگا۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ

محمد عبد القوی غفرلہ

خادم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

یکم رجب المرجب ۳۰ھ

ترتیب مضامین وخلاصۂ عناوین

۱	اسلام میں حیاو پاکدامنی کی بہت اہمیت ہے اس سے متصف رہنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔	۷
۲	نکاح ہی حیاو پاکدامنی کا موثر وسیلہ ہے، بروقت اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔	۱۵
۳	نکاح وقت پر نہ کرنے سے بدکاری میں ابتلا کا خطرہ ہے، اس رواج کو بدلنا چاہئے۔	۲۶
۴	اس سے بچنے کے لئے نکاح کو آسان اور سستا عمل بنانے کی جدوجہد کرنا چاہئے۔	۳۹
۵	اسکے لئے رشتے تلاش کرنے کے مروجہ غلو آمیز معیار کو بدلنا چاہئے۔	۴۶
۶	نکاحوں کو کم خرچ اور سادہ طریقہ پر انجام دینا چاہئے، اور ہر طرح کی فضول خرچی سے بچنا چاہئے۔	۵۴
۷	جہیز کے نام پر نام ونمود اور جوڑے کے نام پر سوال کا سلسلہ بند ہونا چاہئے۔	۶۵
۸	ہمت اور حوصلہ پانے کیلئے اہل ہمت کی مثالوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔	۷۲
۹	منکرات بھری دعوتوں سے دور رہ ان کے مرتکبین کی حوصلہ شکنی کرنا چاہئے۔	۸۲
۱۰	جو لوگ نکاح نہیں کر سکتے ان کو تدابیر عفت اختیار کر کے تقویٰ پر قائم رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔	۹۷
۱۱	ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے نبوی ہدایات کی قدر اوران پر عمل کرنا چاہئے۔	۱۰۲
۱۲	دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی دینی واسلامی تربیت کا اہتمام کرنا چاہئے۔	۱۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ

۱

ارشاد ربانی ہے:

اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں! (وہی فلاح پاتے ہیں)

(سورۃ المؤمنون آیت:۵)

پاکدامنی کا حکم اور اسکی دنیوی واُخروی برکات

قرآن وحدیث میں حیا اور پاکدامنی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، جا بجا اس کا حکم اور اسکی ترغیب دی گئی ہے، اس میں تساہل ولاپرواہی کرنے والوں کی مذمتیں بکثرت بیان کی گئی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی فطرت اور اس کا مزاج ہی ظاہر وباطن کی طہارت اور فکری وعملی پاکیزگی ہے، اسلئے اس مضمون میں سب سے پہلے اسی کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان میں اپنے نیک ومحبوب بندوں کی پسندیدہ صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ لاَ یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً اٰخَرَ وَلاَ یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلاَ یَزْنُوْنَ

(سورۃ الفرقان آیت:۶۸)

اور جو لوگ اللہ کیساتھ شرک نہیں کرتے اور ناحق کسی کا قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے ۔(وہ اللہ کے خاص اور محبوب بندے ہیں، یہ لوگ اپنے اپنے صبر وتقویٰ کی برکت سے جنت کے بالاخانوں میں اور چہار طرف سے مبارکبادی اور سلامتی میں ہوں گے)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُدْخَلاً کَرِیْماً

(سورۃ النساء آیت:۳۱)

اگر تم لوگ ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہاری دیگر لغزشوں کا کفارہ کر دیں گے. اور تمہیں عزت کے مقام یعنی جنت میں داخل کریں گے۔

سورۂ یوسف میں حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے کھڑی جوانی میں ایک مالدار، صاحبِ اقتدار اور حسین عورت کے ہر طرف سے مجبور کر کے بُرائی کا مطالبہ کرنے اور نہ ماننے کی صورت میں طرح طرح کے مصائب کی دھمکیاں دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے آپ کو اس حرام مطالبہ سے محفوظ رکھا، خوفِ خدا سے کانپ گئے، اور بے ساختہ دعا کی تھی کہ **رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ** اے اللہ! یہ عورتیں جس برائی و بے حیائی کی طرف بلا رہی ہیں اس کے ارتکاب سے تو مجھے جیل خانہ میں جا کر وہاں کی مشقتیں جھیل لینا زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ انہوں نے بہت کچھ بدنامیاں اور مشقتیں اٹھالیں مگر اپنی عفت کو خطرہ میں نہیں ڈالا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے کچھ آزمائش کے بعد پوری عزت و رفعت کیساتھ ملک مصر کے تخت و تاج کا مالک بنا دیا، اور ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: **کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ** یعنی اس طرح ہم نے ان کو برائی اور بدکاری سے بچالیا کیونکہ وہ ہمارے پسندیدہ بندے ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۵ میں اپنے بندوں اور بندیوں کی پسندیدہ صفات کے ضمن میں **وَالْحَافِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ**، یعنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی عورتوں کو شامل کر کے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکدامنی کی اس صفت کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس آیت کے تحت امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: شرمگاہ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ سوائے حلال و جائز کام کے اور کسی تقاضۂ معصیت میں استعمال ہونے سے اسکی حفاظت کرے۔

اسی طرح سورہ مؤمنون کی آیت نمبر ۵ ''**وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ**'' میں شرمگاہ کی حفاظت کرنے یعنی پاکدامن رہنے والوں کو کامیاب قرار دیکر انہیں جنت

کی وراثت اوراس میں دائمی قیام کی خوشخبری سنائی ہے۔اس سے بھی اس عمل کی قدرو قیمت اوراجروثواب کااندازہ کیاجاسکتاہے۔

سورۃ النور کی آیت نمبر۳۰ میں مسلمانوں کو نگاہوں اورشرمگاہوں کی حفاظت کاحکم دیتے ہوئے اس عمل کو ان کےقلوب وروح کی پاکی کا سبب قرار دیاہے۔جب کہ قلب وذہن کی پاکبازی ہی تقرب الی اللہ کااہم وسیلہ ہے۔

عورتوں کوبھی اس سلسلہ میں خصوصیت سے متوجہ کیاگیاہے چنانچہ سورۂ تحریم میں حضرت مریمؑ کی تعریف کرتے ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کو ان کی مثال دیتے ہوئے فرمایاوَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا یعنی اورعمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہمیشہ پاکدامن رہیں۔

سورۂ نور میں حضرت عائشہؓ کی تعریف اَلْمُحْصَنٰتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ یعنی پاکدامن ، بھولی بھالی، اور ایمان والی کے الفاظ سے کرکے ان پر اوران جیسی عورتوں پرالزام لگانے والوں کودنیاوآخرت کی لعنتوں کامستحق قرار دیا گیا۔

ان چندآیاتِ قرآنیہ کے بعداس سلسلہ کی کچھ احادیثِ شریفہ بھی نقل کی جاتی ہیں۔

جب کوئی عورت پنجوقتہ نمازوں کااہتمام کرے،اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے،اور شوہرکی اطاعت کرے،تووہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہوجائے۔

(ابن حبان:۶/۴۱۵۱)

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

سات قسم کے آدمی ہیں جن کواللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں رکھے گا، جب کہ اس کے عرش کے علاوہ کہیں اورسایہ نہ ہوگا، ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ نوجوان بھی ہے جس کوکوئی حسن وجمال اور مال ودولت والی عورت اپنی طرف مائل کرے مگروہ یہ کہکر کہ میں اللہ سے ڈرتاہوں اسکےشر سے بچ جائے۔

(بخاری ومسلم:۱۰۳۱)

ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی زبانِ مبارک سے متعدد بار یہ واقعہ سنا کہ بنی اسرائیل میں ایک بدکار و گنہ گار شخص ''کفل'' نامی تھا، اسکے پاس ایک لڑکی کسی ضرورت سے مجبور ہو کر آئی، اس نے اس کو ساٹھ دینار اس شرط پر دئے کہ وہ اس سے بدکاری کریگی، وہ لڑکی مجبوراً راضی ہوگئی، پھر جب حسبِ وعدہ وہ لڑکی اسکے پاس آئی تو اس نے بدکاری کی تیاری شروع کی اور جب قریب ہو کر ہم بستری کرنے ہی والا تھا کہ لڑکی کانپنے اور رونے لگی، اس نے اس کی وجہ پوچھی تو لڑکی نے کہا: میں نے ایسی حرکت کبھی نہیں کی، آج ایک مجبوری نے یہاں تک پہونچا دیا، اس لڑکی کی حیا سے متاثر ہو کر وہ شخص فوراً اس سے علاحدہ ہو گیا، اور کہنے لگا: تو ایک عورت ہو کر اللہ کا اتنا خوف کرتی ہے تو مجھے اس سے زیادہ اللہ سے ڈرنا چاہئے، میں نے تجھے جو رقم دی تھی وہ لے لے اور یہاں سے چلی جا، میں آج کے بعد اللہ کی نافرمانی کبھی نہ کروں گا، اللہ تعالیٰ کا کرنا کہ اسی رات میں اس شخص کی موت آگئی، لوگوں نے صبح اسکے دروازہ پر یہ لکھا ہوا دیکھا ''ان اللّٰہ قد غفر الکفل '' اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی۔ سبحان اللہ! کیسی قدر افزائی ہوتی ہے مالک بے نیاز کی طرف سے اپنے بندوں کی!

بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین آدمی سفر کے دوران ایک غار میں ٹھیرے، اچانک ایک بڑی چٹان لڑھک کر گری جس سے اس غار کا منہ بندھ ہو گیا، اور باہر نکلنے کی کوئی صورت نہ رہی، یہ لوگ بہت پریشان ہوئے، پھر اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اپنے اعمالِ صالحہ میں سے کسی مخلصانہ عمل کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے چنانچہ انہوں نے غور کر کے اپنے ایک ایک صالح عمل کے حوالہ سے دعا کرنا شروع کی اور ہر ایک کی دعا پر چٹان تھوڑی تھوڑی کھسکتی رہی بالآخر اتنا راستہ بنا کہ وہ لوگ بہ سہولت باہر نکل آئے، ان تینوں کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی:

اے اللہ! میری ایک چچازاد بہن تھی، اور وہ مجھے بہت محبوب تھی، میں اس کو برائی کیلئے پھسلاتا رہتا تھا مگر وہ انکار کرتی رہتی تھی، یہاں تک کہ ایک مرتبہ وہ خشک سالی کے اثرات سے متأثر ہوئی تو تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو کر میرے پاس مدد چاہنے آئی تھی، میں نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسکو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دئے کہ وہ مجھے بدکاری کا موقعہ دے گی، پھر جب اس نے موقع دیا اور اس کے ساتھ جماع کے قریب ہوا تو اس نے کہا: میرے کنوارے پن کو اس طرح حرام کے ذریعہ توڑنا تیرے لئے کیسے درست ہو سکتا ہے؟ اے اللہ! یہ سنتے ہی میں فوراً اس سے دور ہو کر دوسری جانب چلا گیا اور وہ مال بھی اس سے واپس نہیں لیا، حالانکہ اس لڑکی سے مجھے حد سے زیادہ عشق تھا، اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل اس وقت صرف تیری ہی رضا و خوشنودی کیلئے اور تیرے ہی خوف سے کیا تھا تو تو ہماری یہ مشکل دور فرما دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس چٹان کو اپنی قدرت سے کھسکا دیا۔ (مسلم:۲۷۴۳)

واقعی یہ کتنی بڑی قربانی اور کیسا عظیم ایثار ہے۔ ذرا غور کیجئے! ایک جوان کسی حسینہ پر فریفتہ ہو اور عرصے سے اسے رجھانے اور منانے میں مشغول ہو، اور وہ انکار ہی کرتی جا رہی ہو، اتنے میں حالات وحوادث نے خود اس کو مجبور کر کے اور محتاج بنا کے اس کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہو، اس مجبوری سے وہ اب خلوت وصحبت کا موقعہ دینے کیلئے بلا کسی دباؤ کے تیار بھی ہو گئی ہو، پھر ایسے وقت جب دوری کے تمام حجابات اٹھ گئے اور آدمی جوانی کی جولانی، شہوت کے اشتعال اور اپنی معشوقہ کے عشق میں چور ہو کر اس پر سوار ہونے ہی والا ہو کہ اللہ تعالیٰ کا نام اور حق اسلام کان میں پڑتے ہی فوراً اپنی دیوانگی وجنون سے دست بردار ہو کر ایک طرف کو ہو جائے اور گناہ سے بچ جائے، کہنے لکھنے کو تو یہ بہت آسان ہے مگر جس کے سینہ میں دل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی معمولی قربانی اور ہلکی سی بات نہیں بہت بڑے اخلاص وایمان کے جذبہ سے صادر ہونے والا اَلْـعَـمَـلُ

الصَّالِح ہے، تب ہی تو قبولیت کا شرف حاصل ہونا دنیا ہی میں معلوم ہو گیا، اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت و نصیحت کا سامان ہے جو پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے اور جو کسی ایسی آزمائش میں پھنس کر اس سے نجات پانے کا خواہشمند ہو۔

امام بخاری نے حضرت سہیل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دو جبڑوں کے درمیانی عضو (زبان) اور دو رانوں کے درمیانی عضو (شرمگاہ) کی حفاظت کی ضمانت لے لے میں اسکے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

(بخاری: ۶۴۷۴)

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے نوجوانو! اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، زنا کاری مت کرو، سنو! جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اسکے لئے جنت کی بشارت ہے۔

(سنن بیہقی: ۴/۵۳۶۹)

امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام جب حکمِ خداوندی سے حضرت سارہ کو لیکر ہجرت فرما رہے تھے تو راستہ میں ایک ایسے شہر پر پہونچے جہاں کا بادشاہ (یا غنڈہ) ایسا تھا کہ کسی بھی مسافر کی بیوی پسند آجائے تو جبراً اس پر قبضہ کر لیتا تھا، جب اس کو ان حضرات کے بارے میں اطلاع ملی تو آدمی کو بھیج کر پوچھوایا کہ تمہارے ساتھ یہ کون عورت ہے؟ انہوں نے اس کے ظلم سے بچنے کیلئے—— یہ تاویل کرتے ہوئے کہ اس جگہ میرے اور میری بیوی کے علاوہ کوئی صاحبِ ایمان نہیں ہے —— جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے، حضرت سارہؓ کو بھی بتلا دیا کہ ایمانی اخوت کے رشتہ سے میں نے بہن کہا ہے تم بھی اسی رشتہ سے مجھے بھائی بتلا دینا، یہ تاکید کر کے اس آدمی کے ساتھ حضرت سارہؓ کو روانہ کر دیا، جب وہ دربار میں پہونچیں اور اس بادشاہ نے ان پر دست درازی کا ارادہ کیا تو وہ فوراً کھڑی ہوئیں،

دو رکعت نماز پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ! میں نے اگر آپ پر اور آپ کے رسول پر سچا ایمان لایا ہے اور اپنی شرمگاہ کو سوائے شوہر کے اور کہیں استعمال نہیں کیا ہے تو آپ اس کافر سے مجھے بچایئے اور اس کو مجھ پر تسلط نہ دیجئے۔ جیسے ہی انہوں نے دعا کی وہ مفلوج ہو کر پیروں کے بل گر پڑا، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے پھر دعا کی کہ: اے اللہ! اگر یہ اسطرح رہ جائیگا تو لوگ مجھے الزام دیں گے کہ تو ہی اسکی قاتل ہے، یہ تو اور بڑی مشکل ہو جائیگی، اس دعا سے وہ صحیح ہو گیا، اس نے پھر دست درازی کی کوشش کی انہوں نے پھر دعا کی پھر اسی طرح بے ہوش ہو کر گر پڑا تیسری دفعہ اس نے اپنے خدام کو بلا کر کہا: بخدا تم لوگوں نے میرے پاس کس شیطان نی کو بھیج دیا ہے؟ اسے یہاں سے لے جاؤ اور ابراھیمؑ کے حوالہ کر دو، اور اس کو ایک خادمہ بھی دیدو۔

مذکورہ بالا تمام آیات، احادیث اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو حیا و پاکدامنی کی کتنی ترغیب دی ہے، اور یہ کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے محبوب بننے کا وسیلہ ہے، نیز ایسے بندوں اور بندیوں کو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کی کامیابیوں سے ہمکنار کرتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَامَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ

۲

مگر ہاں! جو اپنی بیویوں اور (شرعی)
باندیوں سے لطف اندوز ہوں تو ان پر
کوئی ملامت نہیں ہے۔

(سورۃ المؤمنون آیت:٦)

قرآن کریم میں نکاح کا حکم اور اس کی ترغیب

پچھلے مضمون میں حیاوعفت اور پاکدامنی کے فضائل بیان کیے گئے تھے، اب اس کے حصول کا ذریعہ "نکاح" کے فضائل وفوائد کا کتاب وسنت کی روشنی میں تذکرہ کیا جارہا ہے

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ النور:۳۲)

تم میں جو بے نکاح ہوں اِن کا نکاح کردو، اور صالح غلاموں اور باندیوں کا نکاح بھی کردیا کرو، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کردیگا، اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

اس آیتِ شریفہ میں نکاح کا حکم دیا گیا ہے، علماء کی ایک جماعت اس آیت کے ظاہر کی وجہ سے اس کی قائل ہے کہ جو شخص نکاح کرنے پر قادر ہے اس پر نکاح کا کرنا واجب ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ایک ارشادِ گرامی ——— جو صحیحین میں ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے ——— سے بھی استدلال کیا ہے، ایامیٰ، ایّم کی جمع ہے، اور اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جس کا زوج نہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت، خواہ ابھی نکاح ہی نہ ہوا ہو یا ہو کر کسی وجہ سے تفریق ہوگئی ہو، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے احرار وحرائر ——— یعنی آزاد اور مملوک ——— سب ہی کو نکاح کی ترغیب دی اور خوشحالی کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے نکاح کا جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل تم کرو

اللہ تعالیٰ خوشحالی کے اپنے وعدہ کی تکمیل خود فرمائے گا، اسی طرح حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے تھے کہ نکاح کے ذریعہ فراخی وخوشحالی کو تلاش کرو، حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین آدمیوں کی نصرت اللہ تعالیٰ کا حق ہے، انمیں ایک وہ شخص بھی ہے جس نے محض پاکدامنی وپاکبازی کی نیت سے نکاح کیا ہو، (آپ ﷺ نے اس حکم پر عمل کی طرف اس قدر توجہ فرمائی کہ) ایسے شخص کے نکاح کا بھی انتظام فرمایا جس کے پاس بجز ایک چادر اور ایک لوہے کی انگوٹھی کے اور کوئی چیز نہ تھی، مہر بھی نہیں دے سکتا تھا تو آپ نے مہر کے عوض اپنی بیوی کو قرآن پڑھا دینے کی ذمہ داری دیدی آیت کے اخیر میں يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے جو ذمہ داری لی ہے وہ زوجین کی ضروریاتِ زندگی کا تکفل ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم: ۳/ ۲۷۷)

علامہ آلوسیؒ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

اس سے قبل کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بدکاری اور اس میں مبتلا کرنے والی حرکات پر زجر وتوبیخ کرتے ہوئے روک لگادی تھی، اسی مناسبت سے اب نکاح کا حکم دے رہے ہیں، نکاح بدکاری سے محفوظ رکھنے کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ مستقل مقاصد وفوائد بھی رکھتا ہے، کیونکہ وہ بنی نوعِ انسانیت کے بقاء اور اختلاط نسب سے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ صالحین سے حقوقِ زوجیت کی ادائی اور وسائلِ حیات پر قدرت رکھنے والے لوگ مراد ہیں، آیت میں اَنْكِحُوْا کا امر اہلِ ظاہر کے نزدیک وجوب کیلئے ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک استحبابی ہے۔ (روح المعانی: ۹/ ۱۴۹)

دوسری جگہ اپنے رسولوں کی مدح وتعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّيَّةً (سورۃ الرعد: ۳۸)

یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے اور ان کے لئے بیویاں بھی بنائیں اور بچے بھی پیدا کیئے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

یہودِ مدینہ نے حضور اکرم ﷺ کے نکاح فرمانے پر طنز واعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو انہیں بال بچوں کا شوق کیوں ہوتا؟ یہ تو بس عورتوں اور شادیوں کے دلدادہ ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور حضرت داوٗد وحضرت سلیمان علیہما السلام ـــــ جنہیں خود یہود بھی نبی مانتے اور بہت احترام کرتے ہیں ـــــ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بھی بشر تھے، بشری تقاضے رکھتے تھے، اور حلال شہوت ولذت کو پورا کرتے تھے، اس لئے حضرت محمد ﷺ کو ان وجوہ سے طعنہ دینا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

یہ آیت نکاح کی ترغیب وتحریص پر دلالت کرتی ہے، اور بے نکاحی زندگی سے منع کرتی ہے کیونکہ نکاح پیغمبروں کی سنت ہے، جیسا کہ اس آیت میں خبر دی گئی ہے اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ۲۳۱/۵)

اپنے نیکوکار وفرمانبردار بندوں کی صفاتِ خاصہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّجَعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(سورۃ الفرقان آیت:۷۴)

اور وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پرودگار! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

یعنی آل واولاد کو مطیع وفرمانبردار بنا، جب گھر والے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار و اطاعت گذار ہوں گے تو یقیناً آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور وسکون ثابت ہونگے، اور یہ شخص ان کا قوام وسردار ہونے کے اعتبار سے پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کا امام بھی ہوجائیگا۔ قُرَّةَ اَعْيُنٍ اور لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کے اور بھی ترجمے کئے گئے ہیں لیکن ہمیں

اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ہے کہ رحمٰن کے خاص بندوں نے یہ دعا جب ہی کی جبکہ انہوں نے نکاح کیئے اور اولاد ہوئی، کیونکہ اگر بیوی بچے نہ ہوں تو ان کے آنکھوں کی ٹھنڈک بننے کی تمنا چہ معنیٰ دارد؟

نکتہ: کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صرف ان پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے جو اہل وعیال والے تھے، سوائے دو پیغمبروں کے۔ ان میں سے ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے نکاح تو فرمایا تھا مگر مباشرت نہیں کی تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی شریعت میں ایسا کرنا صحیح تھا، نیز ان پر گریہ وبکاء اور توجہ الی اللہ کا غلبہ رہا کرتا تھا، دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے گوکہ نکاح نہیں فرمایا مگر حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ جس وقت قیامت کے قریب دوبارہ تشریف لائیں گے تو نہ صرف نکاح کریں گے بلکہ ان کے اولاد بھی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

احادیثِ شریفہ میں نکاح کی ترغیب

آیاتِ قرآنیہ اور ان کے تحت مفسرین کرام کی تشریحات وتفسیرات کے بعد اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں سے بھی کچھ حصہ پیش کیا جارہا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی فطرت اور ان کی سنت ہیں، حیا، عطر، مسواک اور نکاح۔
(مسند احمد: ۵/ ۴۲۵)

نبی کریمؐ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حق ہیکہ ان کی مدد کریں، ان تین شخصیتوں میں آپؐ نے اس شخص کو بھی ذکر فرمایا جو محض اپنی عزت وعفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرنے کے خاطر کسی عورت سے نکاح کر لے۔ (سنن البیہقی ۱۰/ ۵۳۷)

حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نکاح نہ کرنے کا عہد کرنے والی عورتوں اور ایسے مردوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے تجرد اختیار کرلیا ہے۔
(مجمع الزوائد ۴/ ۴۶۱)

حضرت ابو نجیح ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نکاح کی قدرت واستطاعت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرنے والے مجھ سے نہیں، یعنی میری امت سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ۴/۴۶۲)

حضرت عبید بن سعید ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میری فطرت سے محبت کرتا ہے اسکو چاہئے کہ میری سنتوں کو اختیار کرے، اور نکاح بھی میری سنت ہے۔

(مجمع الزوائد ۴/۴۶۲)

علامہ عبد الرؤف مناوی ؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: محبت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ کلیۃً محبوب کے حوالہ ہو جانے اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے اور اس کے طریقوں کی خلاف ورزی نہ کرنے پر آدمی کو مجبور کر دیتی ہے، پس جو کوئی کسی کی محبت کا دعویٰ تو کرے مگر اس کے طریقہ کی مخالفت کرے تو وہ دعوئے محبت میں جھوٹا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ اگر تم کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو۔ (فیض القدیر ۶/۳۹)

حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون ؓ کو بے نکاحی زندگی کی اجازت طلب کرنے پر اس سے منع فرمادیا، اگر آپ انہیں اجازت دیتے تو ہم اپنے کو نا قابلِ نکاح بنا لیتے۔ (مسلم: ۱۴۰۲)

جبکہ حضرت عثمان ابن مظعون ؓ نے یہ اجازت یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور غیر اللہ سے دھیان بالکل ہٹانے کی غرض سے طلب کی تھی، جب عبادت وریاضت کیلئے بھی بے نکاحی زندگی پسندیدہ نہیں ہے تو محض لاپرواہی، غفلت یا رسم ورواج کی پابندی سے اسطرح رہنا اور اسکی وجہ سے اخلاقی مفسدات کا سامنا کرتے رہنا بلکہ ان میں مبتلا ہوتے رہنا اسلام میں کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے؟

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ جس نے نکاح کر لیا اسنے آدھا دین مکمل کر لیا، اب اس کو چاہیے کہ بقیہ آدھے کی حفاظت کی فکر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس میں کوتاہی

سے ڈرتا رہے۔ (مجمع الزوائد۴/۴۶۴)

ایک اور روایت میں آدھے ایمان کے بجائے آدھے دین کے الفاظ آئے ہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں: تقویٰ کے دو حصے بتائے گئے ہیں، ایک نکاح کر لینے سے حاصل ہو جاتا ہے، دوسرا حصہ دین کے بقیہ امور کے ذریعہ حاصل ہوگا۔

ابو حاتمؒ کہتے ہیں: آدمی کے دین کی حفاظت عام طور سے شرمگاہ اور پیٹ کی حفاظت پر موقوف ہوتی ہے، اس لئے نکاح کو نصف ایمان یا نصف دین کی تکمیل فرمایا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں معنی حدیث کے یہ ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ نکاح نصف دین ہے، جس کو یہ نعمت حاصل ہوگئی اس کو چاہئے کہ بقیہ نصف کے حصول کو یقینی بنائے۔

(فیض القدیر ۶/ ۱۲۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ میری زندگی کے صرف دس دن ہی باقی رہ گئے ہیں تو میں وہ دس دن بھی بغیر زوجہ کے رہنا پسند نہیں کروں گا۔ (مجمع الزوائد۴/ ۴۶۱)

حضرت ربیعہ اسلمیؓ اپنی شادی کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان کرتے تھے اسمیں ہے کہ پہلے کسی وجہ سے ان کا ارادہ نکاح کا نہیں تھا رسول اللہ ﷺ نے متعدد مرتبہ ترغیب دے کر انہیں آمادہ کیا اور اپنی سرپرستی میں ان کا نکاح کروایا، واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ مضمون نمبر (۸) میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا اس اہتمام سے ان کا نکاح کروا دینا نکاح کی اہمیت وضرورت کو واضح کرتا ہے۔

حضرت ابونجیحؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح نہ کرنے والے مردوں اور عورتوں کو باوجود مادی دولتمندی کے بھی مسکین محتاج قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد۴/۴۶۴)

یہ چند روایات ہیں جو حدیث کی مختلف کتب سے نقل کی گئی ہیں، جو فنی اعتبار سے

مختلف معیار کی ہیں بعض صحیح اور حسن درجے کی ہیں، بعض اس سے کم درجے کی ہیں مگر اس کے باوجود محدثین کے نزدیک بہ حیثیتِ مجموعی معتبر اور قابلِ قبول ہیں، ان کے علاوہ اور بھی متعدد اخبار و آثار ہیں جن میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے نکاح کرنے کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے اور بے نکاحی زندگی کو ناپسند قرار دیکر ان کے نقصانات وخطرات سے آگاہ کیا ہے، نکاح کی ترغیب میں واردشدہ روایات کا اندازہ کرنے کیلئے اتنا کافی ہے کہ مشہور محدث حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: میں نے فضائلِ نکاح کے سلسلہ میں واردشدہ روایات کو "الافضاح فی فضائل النکاح" کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جمع کر دیا ہے، ان روایات کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ۲/۸۸)

نکاح کے عقلی ونقلی فوائد

جہاں تک اسکے فوائد ومنافع کا تعلق ہے تو خود کائنات کی بقاء اور اس کے قیام کا راز اسی میں پوشیدہ ہے، کیونکہ یہ کائناتِ رنگ وبو اور دنیائے صورت ورُوصرف انسانوں کی آزمائش کی خاطر سے پیدا کی گئی ہے اور انسانوں کے وجود وتسلسل کا ذریعہ بھی یہی نکاح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً کَثِیْراً وَنِسَاءً

(سورۃ النساء: ۱)

جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کا سلسلہ پھیلایا۔

نیز حدیث پاک میں نکاح کو پاک نگاہی اور پاکدامنی کا ذریعہ، امت کی کثرت کا وسیلہ اور معاشرہ کی صحت وعمدگی کا زینہ قرار دیا گیا ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''نکاح بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے، دین ودنیا دونوں کے کام اس سے دُرست ہوتے ہیں، اس میں بہت فائدے اور بے انتہا مصلحتیں ہیں، آدمی گناہ سے بچتا ہے دل ٹھکانے ہوجاتا ہے، نیت خراب اور ڈانواڈول ہونے نہیں پاتی اور بڑی بات یہ ہے کہ فائدہ کا فائدہ ثواب کا ثواب ہے، اس لئے کہ میاں کا اپنی بیوی کے پاس بیٹھ کر (اس کی دلجوئی اور اپنی دلجمعی کیلئے) محبت وپیار کی باتیں کرنا، ہنسی دل لگی میں دل بہلانا نفل نمازوں سے افضل ہے۔ (بہشتی زیور ۴/۳)

ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: ہمیں پچھلی امتوں سے متعلق یہ روایت پہونچی ہے کہ کسی نبی کے سامنے ایک شخص کے عبادت وزہد کی بڑی تعریف کی گئی تو انہوں نے فرمایا: سب ٹھیک ہے مگر وہ اپنے نبی کی سنت کا تارک ہے، جب اس شخص کو اس کی اطلاع ملی تو اسنے آکر نبی سے پوچھا کہ میں کس سنت کا تارک ہوں؟ انہوں نے فرمایا سنتِ نکاح کو تو نے چھوڑا ہوا ہے، اس نے عرض کیا کہ نکاح کی ان تمام عبادتوں کے مقابلہ میں کیا اہمیت ہے؟ اس پر اس اللہ کے نبیؑ نے فرمایا لوگ نکاح کو چھوڑ کر دیگر تمام عبادات ومجاہدات میں لگ جائیں تو بھی ان حکمتوں کو نہیں پاسکتے جو نکاح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔ (اعلاء السنن ۱۱/۱۲۶)

اس کے علاوہ اس میں زنا میں مبتلا ہوجانے کے خطرہ سے حفاظت ہے اور اولاد کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے فخر کا سبب ہے، اور پھر اہل وعیال کی وجہ سے آدمی پر مصارف ومشاغل کی بہتات ہوجاتی ہے جو بہت سے منکرات ومحرمات سے بچالیتی ہے، اولاد کی تربیت وپرورش اور ان کی خدمت میں پیش آنے والی تکلیفوں پر صبر وتحمل کرنا پڑتا ہے، جس سے اخلاق کی درستگی اور باطن کی صفائی بھی ہوتی ہے، ان خوبیوں اور خصوصیتوں کے حوالہ سے فقہاء نے نکاح کو عبادات میں شمار کیا ہے۔

نکاح کے عمل کی امتیازی شان

علماء نے لکھا ہے کہ ایمان اور نکاح کے علاوہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو حضرت آدمؑ سے حضرت محمد ﷺ تک ہر نبی کی شریعت میں موجود ہو، حتیٰ کہ جنت میں بھی موجود رہے، کیونکہ جنت میں آدمی کے ساتھ اس کا ایمان بھی رہے گا اور رشتۂ زوجیت بھی۔

(غایۃ الاوطار:۲/۲)

نکاح کے عمل کو بہ یک وقت عبادت اور معاملت کی دونوں شانیں حاصل ہیں، حکم رب کی تعمیل سنتِ نبوی کی تمثیل اور وسیلۂ عفت وعصمت ہونے اور اس کیلئے خطبہ مسنون ہونے، گواہ کے ضروری ہونے، ولیمہ کے مسنون ہونے جیسی خصوصیات کی وجہ سے اگر اس میں عبادت کی شان پائی جاتی ہے تو دوسری جانب زوجہ کے حقوقِ کفالت اور مہر کے معاوضہ میں حق استفادہ کے تبادلہ کی وجہ سے معاملت کی شان بھی جھلکتی ہے، شاید اسی وجہ سے عام طور سے فقہاء ومحدثین نے کتاب النکاح کو عبادات کے بعد اور معاملات سے قبل بیان کیا ہے، تاکہ دونوں جانب سے اس کے تعلق کا اظہار ہو۔ واللہ اعلم

نکاح کا فقہی وشرعی موقف

فقہاء کرام نے کتاب وسنت کی روشنی میں نکاح کو عام حالات میں مسنون، خاص صورتوں میں واجب، اور بلا کسی خاص ضرورت کے بے نکاح رہنے کو ناپسندیدہ اور خطرات کا ومفسدات سبب قرار دیا ہے۔

ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

نکاح کے سلسلہ میں عام طور سے لوگوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں، اور ہر حالت کا حکم علاحدہ ہے، (۱) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ نکاح نہ کریں تو اندیشہ ہے کہ کسی معصیت اور گناہ میں مبتلا ہو جائیں، ایسے لوگوں کیلئے جمہور فقہاء کے نزدیک نکاح

کر لینا واجب اور ضروری ہے، کیونکہ حرام کاری سے بچنا اور پاکدامن رہنا اسلامی فریضہ اور شرعی مطالبہ ہے، (۲) کچھ لوگ وہ ہیں جن کو تقاضۂ شہوت تو ہے مگر اتنا اطمینان ہے کہ اگر نکاح نہ کریں گے تب بھی مغلوب النفس ہوکر کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوں گے اور عزتِ نفس کو باقی رکھ سکیں گے، ان کیلئے بھی نکاح کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ نکاح کر کے ازدواجی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل میں مشغول ہونا نکاح نہ کر کے اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی کیلئے فارغ کر لینے سے زیادہ بہتر اور افضل ہے، یہی فقہاء کرام کی تحقیق ہے، اور یہی صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل ہے۔ (۳) وہ لوگ جو مفقود الشہوۃ ہوں یعنی نکاح کے قابل ہی نہ ہوں، خواہ اس وجہ سے کہ خلقۃً نامرد ہوں، یا شہوت تھی مگر بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اب ضائع یا ختم ہو چکی ہے۔ (المغنی ۷/۳۴۷)

(ایسے شخص کے احکام تفصیلی اور اختلافی ہیں ضرورت پر علماء سے معلوم کر لئے جائیں)

الغرض! نکاح اسلام میں محض شہوت رانی اور ذوقِ نفسانی کی تکمیل کا نام نہیں ہے بلکہ وہ چند در چند حکمتوں اور مصلحتوں کا مجموعہ ہے، ان میں بالخصوص حیا و پاکدامنی اور غیرتِ ایمانی کا تحفظ اور اسلامی معاشرہ کو انسانی شریعت کی علامت و پہچان بنانا بھی ہے، اسی وجہ سے کتاب وسنت میں جہاں نکاح کرنے کے فضائل وفوائد سے آگاہ کرتے ہوئے اسکا حکم دیا گیا ہے وہیں نکاح نہ کر کے بدکاری وگمراہی کے راستوں میں پڑنے کے برے اثرات اور خطرناک نتائج سے مطلع کر کے اس سے روکا اور منع کیا گیا ہے، اگلے صفحات میں نکاح نہ کرنے کے نقصانات بھی مختصراً بیان کئے جارہے ہیں، ان کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

آخرت کی تیاری

بہر غفلت یہ تیری ہستی نہیں
دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے یہ بستی نہیں
جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذَالِکَ
فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ

۳

پس جو کوئی اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے شہوانی تقاضے پورے کرنا چاہیں گے تو یہی لوگ حد سے گذرنے والے ہیں۔

(سورۃ المؤمنون آیت: ۷)

نکاح کا اہم پہلو یہ ہے کہ وہ سفاح یعنی بدکاری وزنا کاری سے تحفظ کی ضمانت ہے، کیونکہ نکاح وسفاح دونوں عام طور سے جذباتِ شہوت پر قابو پانے اور تسکین حاصل کرنے کی غرض سے کئے جاتے ہیں، لیکن نکاح اس مقصد کے حصول کا حلال جائز اور شریفانہ طریقہ ہے اور سفاح حرام ناجائز اور غیر شریفانہ بلکہ حیوانی طریقہ ہے، اسلام نے نکاح کا حکم دیکر اور اس کو آسان بنا کر انسانیت کو توہین میں پڑنے اور اپنے تقدس واحترام کو پامال کر لینے سے بچالیا، اور سماج سے بدکاری کے امکانات کو ختم کرنے کا مبارک وکامیاب انتظام کر دیا ہے، نکاح کی ترغیب وتاکید سے متعلق تعلیماتِ اسلامیہ کو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اب سفاح کی مذمت کا بھی مطالعہ کر لیجئے تاکہ اس گندے عمل سے نفرت ہو جائے۔

سفاح یعنی بدکاری کی وضاحت میں علماء جن اعمال کا ذکر کرتے ہیں، ان میں زنا، لواطت، اور مشت زنی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور عام طور سے بے نکاح نوجوانوں میں خصوصاً آج کل پائے بھی جاتے ہیں، اسلئے ان کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جا رہا ہے۔

زنا کاری کی مذمت کتاب وسنت کی روشنی میں

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلاً (بنی اسرائیل:۳۲)	بدکاری کے قریب بھی مت جاؤ، کیونکہ وہ بہت ہی بری بات اور برا راستہ ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

زنا بالاتفاق بہت بری حرکت اور بدترین گناہ ہے، خود گناہ ہونے کے علاوہ متعدد گناہوں کے وجود میں آنے کا سبب ہے، مثلاً دوسرے کی اولاد کو اپنا وارث بنانا، خاندان اور نسب کا خلط ملط ہو جانا، باہم عداوتوں اور نفرتوں کا پیدا ہونا وغیرہ، اسی لئے

نبی کریم ﷺ نے ایک حاملہ عورت کو ایک شخص کے دروازہ پر دیکھ کر لوگوں سے پوچھا کہ شاید یہ شخص اس عورت سے مجامعت کرنا چاہتا ہے؟ بتلایا گیا ہاں! فرمایا میرا جی چاہ رہا ہے کہ اس شخص کو ایسی لعنت کروں کہ زندگی بھر وہ اس پر مسلط رہے یہاں تک کہ قبر میں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۵/۱۸۵)

ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شرک کے بعد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدکاری سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم ۳/۳۸)

علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بدکاری کی اور اللہ تعالیٰ سے زندگی میں توبہ نہیں کرلی، یا اس پر حد جاری نہیں ہوئی تو دوزح میں آگ کے کوڑوں سے اس پر حد جاری کی جائیگی۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ آسمانی کتاب ''زبور'' میں ہے کہ زناکاروں کو دوزخ میں ان کی شرمگاہوں کے بل لٹکا کر انہیں لوہے کے کوڑوں سے مارا جائیگا، جب وہ لوگ اس کی اذیت سے عاجز ہو کر نجات کیلئے فریاد کریں گے تو داروغۂ جہنم کہے گا اب کیوں واویلا مچا رہے ہو؟ دنیا میں تو بڑے مزے لے لے کر اور خوش ہوتے ہوئے اتراتے ہوئے بدکاریاں کرتے پھرتے تھے، نہ اللہ سے شرماتے تھے اور نہ اس کا خوف کرتے تھے، اب ہائے ہائے کا کیا فائدہ؟ (الزواجر: ۲/۲/۷۷)

مسند احمدؒ میں ہے کہ آدھی رات ہو جانے کے بعد آسمان کے دروازے کھولدئے جاتے ہیں اور ایک منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز دیتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہے جسکی دعا قبول کی جائے؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ عطاء کیا جائے؟ کوئی مصیبت زدہ ہے کہ اسکی تکلیف دور کی جائے؟ چنانچہ اسوقت ہر مانگنے والے کی دعا مقبول ہوتی ہے، سوائے زناکار کے۔ (الزواجر: ۲/۲/۷۷)

بخاری شریف میں ایک لمبی حدیث کے ضمن میں آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی منقول

ہے کہ (مناظرِ برزخ میں) میں نے ایک مقام دیکھا جو تنور کے مثل نیچے کشادہ اور اوپر تنگ تھا، اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں، اس کے اندر آگ جل رہی تھی، جب اس کی لپٹیں اوپر کو اٹھتیں تو یہ سب اس کے ساتھ اوپر کی طرف اٹھتے، جب باہر نکلنے کے بالکل قریب ہو جاتے تو وہ آگ نیچے بیٹھ جاتی تو یہ سب لوگ بھی اس کے ساتھ نیچے پہونچ جاتے تھے، اسکے اندر چیخ و پکار بھی ہو رہی تھی، مجھے بتلایا گیا کہ "یہ زنا کار مرد اور عورتیں ہیں" (بخاری:۷۰۴۸)

ابوداؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی جب زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان دل میں سے نکل جاتا ہے اور ابر کے ٹکڑے کی طرح اس کے اوپر چلا جاتا ہے، جب وہ اس حرکت سے فارغ ہوتا ہے تو واپس آجاتا ہے۔ (ترمذی:۲۶۲۵)

غور کرنا چاہئے کہ کتنی خطرناک یہ صورتحال ہے، خدانخواستہ اسی حالت میں موت آگئی تو کیسی بری موت مریگا، **اعاذنا الله منه**۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں پر ایک ہوا چلے گی جو اتنی بدبودار اور متعفن ہوگی کہ اس سے ہر نیک و بد متاثر ہوگا، دم گھٹنے لگے گا، اور لوگ اذیت و تکلیف سے کراہنے لگیں گے اور حیران ہوں گے کہ آخر یہ کہاں سے پھوٹ رہی ہے؟ تو کوئی بتلانے والا بتلائیگا کہ لوگو سنو! یہ ان زنا کاروں کی شرمگاہوں سے نکلنے والی بدبو ہے جو توبہ کئے بغیر اس بدکاری ہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگئے ہیں۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۹۳)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ زنا کاروں کی شرمگاہوں سے دوزخ میں ایسی گندگی خارج ہوتی رہیگی جس کی وجہ سے اہل دوزخ کی اذیت و تکلیف اور بڑھ جائیگی۔ (مسند احمد ۶/۱۰۹)

حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: یہ امت اس وقت

تک خیر و برکت سے رہے گی جب تک کہ اس میں بدکاری کی اولاد عام نہ ہو جائے، جب ایسا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذابِ الیم میں مبتلا فرما دیگا۔ (مسند احمد ۶/۳۳۳)

یہ اور ان جیسی بے شمار روایات ہیں جو بدکاری اور زنا کاری کی مذمت بیان کرتی ہیں، اور واقعی اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے، اس لئے کہ شریعت کی راہنمائی تو اس کا احسانِ عظیم ہے اگر شریعت راہنمائی نہ کرتی تو بھی انسان کی فطرت اور اس کا ضمیر خود اس حرکت کو خبیث اور مذموم ہی سمجھتا۔ پھر یہ سب روایتیں زنا کاری کی ہر صورت کی مذمت کر رہی ہیں، بعض دوسری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بعض صورتیں بعض صورتوں سے زیادہ بُری اور گندی ہیں، مثلاً پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا، پاکدامن عورت سے زنا کرنا، بڑھاپے میں زنا کرنا، علم وفضل والے کا زنا کرنا، عام لوگوں کی زنا کاری سے زیادہ مذموم ہے۔

ہم جنسی وامرد پرستی ایک غیر انسانی حرکت ہے

سفاح یعنی زنا ہی کی ایک اور قسم لواطت ہے، بلکہ یہ اس سے بھی گئی گذری اور انتہائی غیر فطری حرکت ہے کہ آدمی صنف مخالف کے بجائے اپنی ہی جنس کے ساتھ شہوت رانی و بدکاری کرے۔ العیاذ باللہ۔ یہ حرکت گذشتہ اقوام میں بھی کسی قوم میں نہیں تھی، صرف ایک قوم یعنی اہل سدوم ــــــ جنکی طرف حضرت لوط علیہ السلام مبعوث فرمائے گئے تھے ــــــ میں پائی جاتی تھی، یہ قوم اس بری حرکت میں مبتلا تھی، انکے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے اس بری عادت کو چھڑانے کی بہت مخلصانہ کوشش کی تھی، مگر انہیں اس خصلت کی ایسی پختہ عادت پڑگئی اور ایسی لت لگ گئی تھی کہ وہ کسی طرح اس حرکت کو چھوڑنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا ایسا سخت عذاب نازل فرمایا کہ فرشتے نے ان کی بستی کو آسمان پر اٹھا کر پہلے انہیں گرایا پھر بستی کو ان پر الٹ دیا، اور ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش کی گئی، سوائے حضرت لوط علیہ السلام کے فرمانبرداروں کے اور کوئی شخص اس عذابِ الٰہی سے

بچ نہ سکا۔ اس مرض کی خطرنا کی اور ملعونیت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو اس خبیث عادت سے بچنے کی تاکید اور اسکی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے اس حرکت کے فاعل ومفعول دونوں کو قتل کردینے کا حکم دیا۔(ابوداؤد:۴/۱۵۸) اگرچہ کہ آپ کے دور میں ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا، پھر بھی ذکر آنے پر آپؐ نے یہ سخت حکم ارشاد فرمایا جس سے اس کی شناعت اور واضح ہوجاتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ہی دوسری روایت میں منقول ہے کہ آپ ﷺ نے قومِ لوطؑ کی حرکت کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔(نسائی:۴/۳۳۲) لعنت رحمتِ خداوندی سے دوری کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے کس قدر سخت وعید ہے!

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت سے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف کرتا ہوں وہ قومِ لوطؑ کا عمل ــــ یعنی لواطت ــــ ہے کہ کہیں وہ اس میں مبتلا نہ ہوجائے۔ (ترمذی:۱۴۵۷)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہیکہ آپ ﷺ نے ایسی حرکت کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ: اس کی صبح اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہوتی ہے اور شام اسکی ناراضگی میں ہوتی ہے۔ (شعب الایمان:۲/۷۵۶)

امام ابنِ سیرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ گندی حرکت جانوروں میں بھی سوائے گدھوں اور خنزیروں کے کسی اور جانور میں نہیں پائی جاتی، یعنی جانور تک اس سے نفرت کرتے ہیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ ایسی حرکت کرنے والوں کو قتل کردینے یا اونچے مکان سے گرا کر اوپر سے سنگ باری کرنے کا حکم دیتے تھے، حماد بن ابراھیمؒ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو دوبار سنگسار کیا جاسکتا تھا تو یہ خبیث اس قابل تھے کہ انھیں ڈبل سنگسار کردیا جائے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ لواطت کرنے والا آسمان وزمین کے تمام پانیوں سے غسل

کرلے تو بھی پاک نہ ہوگا، نجس کا نجس ہی رہے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: لواطت کرنے والا اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو قبر میں خنزیر بنادیا جائیگا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: جو مرد یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ بدفعلی کی یہ حرکت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اسکے اندر نسوانی شہوت پیدا کر کے اسکو شیطان مردود بنادیتا ہے۔

(شعب الایمان/ الزواجر وغیرہ)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے انہیں اطلاع دی کہ بعض دیہاتوں میں ایسے شخصوں کی اطلاع ملی ہے جو مردوں کو اپنے ساتھ اُن حرکتوں کا موقعہ دیتے ہیں جو عورتوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ ایسے لوگوں کو کیا سزا دینی چاہئے، حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ وہ گندی اور خبیث حرکت ہے کہ پچھلی امتوں میں بھی سوائے حضرت لوطؑ کی قوم کے کسی اور قوم میں بھی نہیں ملتی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ بھی آپ لوگوں کو معلوم ہے، میری رائے تو یہ ہیکہ ایسے شخص کو آگ میں ڈالدیا جائے، حضرت علیؓ کی اس رائے سے تمام صحابہ کرامؓ نے اتفاق فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسی کا فیصلہ فرمادیا۔ (شعب الایمان:۲/۷۵۶)

پھر اس بیماری کے مختلف مدارج ہوتے ہیں، کسی میں کوئی کسی میں کوئی درجہ پایا جاتا ہے، اور بعض نوعیتیں بعض سے زیادہ خطرناک ہوتی ہیں، پھر بعض مرتبہ آدمی کو اس مرض میں ابتلاء کا احساس ہوجاتا ہے بعض مرتبہ احساس بھی نہیں ہوتا، بہت مخفی طریقہ سے اس کے اندر پیدا ہوجاتا ہے، اور دن بہ دن مضبوط ہوتا رہتا ہے۔

ایک بزرگ حضرت ابوسہیلؒ فرماتے ہیں کہ لواطت کے مریض تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو امردوں یعنی حسین لڑکوں کو صرف دور سے دیکھ کر اور گھور گھور کر محظوظ ہوتے رہتے ہیں، یہ لوگ بدنگاہی پر ہی اکتفاء کرلیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو انہیں چھو کر اور ہاتھ لگا کر محظوظ ہوتے رہتے ہیں، یعنی قریب بیٹھنا اور بار بار مصافحہ کرنا،

مختلف بہانوں سے اس کے جسم کو چھوتے رہنا، ان حرکتوں کے ذریعہ حرام لذت لوٹتے رہنا ان کی عادت بن جاتی ہے، تیسرے وہ لوگ جوان سب حدوں سے آگے بڑھ کر بد فعلی تک پہونچ جاتے ہیں، اور پوری بے حیائی سے یہ حرکت کرتے اور کرواتے ہیں۔

(شعب الایمان/ الزواجر وغیرہ)

بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ہم جنس پرستی کیلئے کسی کے انتخاب کرنے میں بھی لوگوں کے ذوق مختلف ہوتے ہیں، بعض لوگ چھوٹے چھوٹے بچوں پر نیت خراب کرتے ہیں، بعض بے داڑھی مونچھ نابالغ لڑکوں کو پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ تھوڑی داڑھی مونچھ آجانے کے بعد کی عمروں کی طرف رغبت کرتے ہیں، بعض ہم عمروں کیساتھ بدنیتی سے تعلق رکھتے ہیں، پھر یہ ایسی گندی بیماری ہے کہ بڑی عمروں کو پہونچ کر اور صالح ماحولوں میں جا کر بھی ختم نہیں ہوتی، تا آنکہ کسی مصلح سے تدابیر معلوم کر کے مخلصانہ اور دیانتدارانہ طریقہ پر اس کا علاج نہ کیا جائے۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ کسی راستہ سے گذرتے ہوئے ایک شخص کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا، آپ نے ازراہِ شفقت پانی منگا کر اس کو بجھانے کی کوشش کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آگ ایک لڑکا بن گئی اور آدمی آگ بن کر اس لڑکے کو جلانے لگا، بہت حیران ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان لوگوں کو زندگی دی جائے تاکہ حقیقت حال معلوم کر سکوں، اللہ پاک نے انہیں زندہ کر دیا تو اس شخص نے بتلایا کہ میں زندگی میں اس لڑکے کی محبت میں مبتلا ہو کر اس کے ساتھ بدفعلی کیا کرتا تھا، جب میں مر گیا اور یہ بھی اپنے وقت پر مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کبھی میں آگ بن کر اس کو جلاتا رہوں اور کبھی یہ آگ بن کر مجھ کو جلاتا رہے۔ اعاذنا اللہ منه

(زواجر ا/ ۷۸۹)

مشت زنی شرمناک خصلت ہے

قوتِ شہوانیہ جب بھڑکتی ہے تو آدمی اسکو ٹھنڈی کرنے اور بجھانے کیلئے بے چین

ہو جاتا ہے، اس کے افکار و خیالات منتشر ہو جاتے ہیں، تھوڑی دیر کیلئے عقل و ہوش بھی مغلوب و مفتون ہو جاتے ہیں، ایسے وقت میں تقویٰ و پرہیز گاری اور عفت و پاکدامنی کی حفاظت اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس کے پاس تسکینِ نفس کا حلال سامان (یعنی بیوی) موجود ہو یا پھر وہ خوفِ خدا و خشیتِ الٰہی کی صفت سے متصف ہو، بصورتِ دیگر ـــــ یعنی اس کے پاس نہ بیوی موجود ہے اور نہ ہی پرہیز گارانہ ماحول میسر ہے تو ـــــ آدمی وحشیانہ اور غیر شریفانہ راہوں کی طرف بھاگتا ہے، انہی حرکاتِ بد میں ایک وہ حرکت بھی ہے جس کو "استمنا بالید یا مشت زنی" کہتے ہیں، اسکی عادت عموماً خاموش مزاج، تنہائی پسند، شرمیلے نوجوانوں کو جلد پڑ جاتی ہے، جب ان کی شہوت بھڑکتی ہے تو اپنے ہی ہاتھوں سے منی کا اخراج کرتے رہتے ہیں اور جب اس کا چسکا لگ جاتا ہے تو وقت بے وقت صبح و شام جب جی میں آیا اس حرکت سے لطف اندوز ہونے لگتے ہیں، حالانکہ یہ چند سیکنڈوں کی حرام لطف اندوزی ان کو زندگی بھر کی حلال لذتوں اور تمام امنگوں سے محروم کر دیتی ہے۔

ہندوستان کے مشہور طبیب مسیح الملک حکیم اجمل خانؒ فرماتے ہیں: اس بدخصلت اور قبیح حرکت کی ابتداء افریقہ سے ہوئی ہے لیکن عرب مصر اور ہندوستان بلکہ تمام دنیا کے مہذب اور غیر مہذب ممالک میں یہ عادتِ بد قدیم ایام سے کم و بیش جاری ہے، **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** ۔ یہ ایک ایسا قبیح اور شنیع فعل ہے جس کی بدولت بہت سے خاندان تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں، برادرانِ وطن کی عام ناطاقتی اور کمزوری اسکی بین شہادت ہے، صرف یہی اکیلی حرکت ناشائستہ آج کل ہماری نسلوں کو بیحد کمزور بنا رہی ہے، جوانوں کی جوانی خاک میں ملانیوالی شباب کی امنگوں اور حوصلوں پر پانی پھیرنے والی ترقی اور ترفع کے ولولوں کو ملیا میٹ کرنیوالی یہی بدترین خصلت ہے، کاش کہ اس وباء عام کے مہلک نتائج اب بھی نوجوانوں کے سامنے آئیں،

کاش انکی آنکھیں کھلیں اور سیکڑوں واقعات سے عبرت وبصیرت حاصل کریں، یہ بات تو وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس تباہ کن عادت میں نو جوانوں کیبہت بڑی تعداد گرفتار ہے، اور اس کے اندازہ کا بہترین معیار وہ خطوط ہیں جو عالی جناب مسیح الملک مرحوم کی خدمت میں تجویز دوا اور علاج کیلئے آتے تھے، ان مریضوں کے حالات دیکھ کر کلیجہ پاش پاش ہوجاتا ہے، جو اپنے ہاتھوں سے اپنی بہترین زندگی کو خاک میں ملا کر زندہ درگور ہورہے ہیں، اور ہمیشہ کیلئے کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں، اس حرکت کا اثر قلب، دماغ، جگر، معدہ، گردوں، اور آلاتِ تولید پر یکساں پڑتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد رات دن روتے ہوئے اور پریشان ہوتے ہوئے گذارتا ہے، ایسا شخص اکثر اوقات پیاری زندگی سے عاجز آکر موت (خودکشی) تک کو ترجیح دیتا ہے۔ (حاذق:۲۲۵)

یہ تو ایک طبیبِ جسمانی کی باتیں تھیں، محسنِ انسانیت، غمگسارِ امت، رحمت دو عالم ﷺ نے بھی ان جسمانی طبیبوں سے بہت پہلے اس سنگین جرم اور بدترین حرکت کی شناعت وخباثت سے امت کو خبردار اور ہوشیار کرتے ہوئے فرمادیا تھا کہ ایسی حرکت کرنیوالا مرنے سے قبل سچی توبہ نہیں کریگا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس پر نظرِ رحمت فرمائیں گے، اور نہ ہی اس کو گناہوں سے پاک صاف فرمائیں گے، ایسا شخص جہنم میں اولین داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل کیا جائیگا۔ (شعب الایمان۲/۷۶۶)

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"ناکح الید ملعون"** مشت زنی کرنے والا ملعون ہے۔ (کشف الخفا:۱/۴۴۹)

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت انس بن مالکؓ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کے بارےمیں فرمایا کہ: اپنے ہاتھوں سے منی خارج کر کے شہوت پوری کرنیوالا قیامت کے دن اسطرح اٹھایا جائیگا کہ اسکے ہاتھ حاملہ ہوں گے۔ (شعب الایمان۲/۷۶۶) ـــــ **نعوذ باللہ منہ** ـــــ

اسی وجہ سے مفسرین کرام نے سورۃ المؤمنون کی آیت

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ (سورۃ المؤمنون آیت:۷)

جولوگ حلال طریقوں کے علاوہ شہوت رانی کا کوئی اور طریقہ اختیار کرتے ہیں تو یہی لوگ حد سے تجاوز کر جانے والے ہیں۔

میں وراء ذالک کے تحت زنا، لواطت، جانوروں سے بدکاری، بیوی سے دُبر میں مجامعت، متعہ یعنی موقتی نکاح وغیرہ کے ساتھ استمنا بالید کو بھی شامل کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: اسی طرح استمنا بالید یعنی اپنے ہاتھوں سے منی کا اخراج —— جسکو خضخضہ اور جلد عمیرہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے —— بھی جمہور علماء کے نزدیک فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَاءَ ذَالِکَ میں شامل اور حرام ہے۔ بعض علماء نے اس عمل کے حرام ہونے پر اس آیت کے علاوہ دیگر آثار و اخبار مثلاً نبی کریم ﷺ کا ایسی حرکت کرنیوالے کو ملعون فرمانا، اور سعید ابن جبیرؓ کا یہ ارشاد کہ ایک قوم اس حرکت کی وجہ سے عذابِ الٰہی میں مبتلا کی گئی تھی اور حضرت عطاءؒ کا یہ ارشاد کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ قیامت کے دن حاملہ ہوں گے وغیرہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم

(روح المعانی ۹/۱۰ ملخصاً)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: اس حرکت کے بارے میں حضرت امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ شرعاً اسکا کیا حکم ہے؟ تو آپ نے اس کے جواب میں یہی آیات تلاوت فرمادیں، گویا اسکو حرام قرار دیا۔ چنانچہ جمہور علماء اس کی حرمت ہی کے قائل ہیں، بعض علماء تو اسکو اپنی ذات سے بدکاری کرنا قرار دیتے ہیں، یہ ایسا گناہ اور گندی حرکت ہے جس کو شیطانِ مردود نے اپنی طرف سے وضع کر کے لوگوں میں چلا دیا ہے، حالانکہ یہ اتنی غیر فطری اور بُری عادت ہے کہ عام فطرتِ انسانی خود ہی اس سے متنفر ہوتی ہے،

کوئی شریف آدمی تو کیا اس کے جواز کا تصور کر سکتا ہے جبکہ رذیل اور کمینے آدمی کے نزدیک بھی یہ حرکت باعثِ ننگ وشرم ہوا کرتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ۱۲/۸۱ ملخصاً)

حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ باندی کے ساتھ شرعی قاعدہ کے مطابق شہوت پوری کرنے کے علاوہ شہوت پوری کرنے کی اور کوئی بھی صورت حلال نہیں ہے، اس میں زنا بھی داخل ہے، جو عورت اس پر حرام ہے اس سے نکاح بھی اس میں داخل ہے، بیوی یا باندی سے حالتِ ناپاکی میں مجامعت کرنا بھی اسمیں داخل ہے، بیوی سے غیر فطری طریقہ پر جماع کرنا بھی داخل ہے، کسی مرد یا لڑکے یا جانور سے شہوت پوری کرنا بھی اس میں شامل ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک استمنا بالید یعنی اپنے ہاتھوں سے منی خارج کر لینا بھی اس میں داخل ہے۔ (معارف ادریسی)

غرض یہ کہ یہ بری حرکت عقلاً شرعاً، شرافتاً ہر اعتبار سے بری اور قابلِ لعنت ونفرت ہے، لیکن ہمارے زمانے میں ضرورت پڑتے ہی نکاح کر لینے کی سہولت نہ ہو سکنے، تمام رسمی لوازمات اور نفسانی مطالبات پر قدرت تک انتظار کو ضروری کر لئے جانے کی وجہ سے معاشرہ میں پھیلے ہوئے شہوت انگیز اسباب ـــــ ہوڈنگس، اشتہارات، اخبارات حتی کہ اشیاءِ مایحتاج پر چھپی مردانی ونسوانی حیا سوز وشرمناک ننگی تصویروں کی کثرت، لڑکوں اور لڑکیوں کا انتہائی چست اور اعضائے مستورہ کو نمایاں کرنیوالے لباس کے ساتھ ایک دوسرے سے اختلاط، ٹی وی اور سی ڈیز کے مناظر اور آخر میں انٹرنیٹ پر موجود ناقابلِ بیان حد تک فحش مواد وغیرہ ـــــ کی وجہ سے نوعمر بچے ابتدائی جوانی ہی میں اس خبیث حرکت کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، چند لمحوں کی حرام لذت کی خاطر زندگی بھر کی حلال لذتیں، سکون وسرور اور فرحت وخوشی کو قربان کر دے رہے ہیں، نتیجۃً کھڑی جوانی میں زندگی سے مایوس بوڑھوں سے بدتر ضعف

وکمزوری کے حالات اور ذلت ورسوائی کے خطرات سے دوچار ہوکر اپنی موت مرجانے کے منصوبے بنارہے ہیں۔ **اعاذنا اللہ منہ**

وجہ صرف یہ ہیکہ نکاح کو مسلمانوں نے کھانے پینے کی ضرورت کی طرح ایک ضرورتِ انسانی سمجھنے کے بجائے محض خواہشِ نفسانی قرار دیکر طرح طرح کی شروط وقیود کا پابند بنالیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایک سہل الحصول نعمت کے بجائے محیر العقول مصیبت بن گیا ہے، ادھر عمر کے ایک حصہ میں شہوت کا برانگیختہ ہوکر صنفِ مخالف کی تلاش میں بے چین ہوجانا ایک ایسا فطری تقاضہ ہے کہ اگر وہ حلال طریقے سے پورا نہ ہوتو آدمی کسی بھی حرام راستے میں گھسنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے، جیسے بھوک اور پیاس مٹانے کیلئے اگر پاکیزہ اشیاء نہ مل پائیں تو آدمی ناپاک اور حرام چیزوں سے بھی نہیں چوکتا۔

لہذا اگر کوئی شخص ان فواحش ومنکرات سے محفوظ اور تقویٰ پر مضبوط رہنا چاہتا ہے تو اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔(۱) یا جلد از جلد کسی نیک لڑکی کا انتخاب کرکے اس سے نکاح کرلے (۲) یا پھر اس کی قدرت نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اسباب بن نے تک ان تدابیر کو اختیار کرتے ہوئے ـــــ جو مضمون نمبر (۹) میں آرہی ہیں ـــــ نگاہ، خیال اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا رہے۔

اس کے باوجود آج کل لڑکے اور لڑکیاں ـــــ دین داروں میں بھی بے دینوں میں بھی حتی کہ اہل علم میں بھی ـــــ علی العموم نکاح میں بلاوجہ تاخیر کرنے لگے ہیں۔ بلاوجہ اس لئے کہتا ہوں کہ جو وجہ ظاہر کرتے ہیں شریعت میں وہ تاخیر کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، بلکہ مجرمانہ تغافل ہے، اگلے مضمون میں اسی سے متعلق اسلامی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں۔

نقصان کا سودا

لطف دنیا کے ہیں گے دن کیلئے
کھو نہ جنت کے مزے ان کیلئے
یہ کیا اے دل تو بس پھر یوں سمجھ
تو نے ناداں گُل دئے تنکے کیلئے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَـا اٰتَـاکُـمُ الـرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡاہُ
وَمَانَہَاکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا

۴

رسول اللہ ﷺ تمہیں جس چیز کا حکم دیں
اسے قبول کرو اور جس چیز سے منع کریں
اس سے رک جاؤ۔

(سورۃ الحشر آیت:۷)

نکاح میں جلدی کرنی چاہئے

خودساختہ مطالبات اور قیودات ورسومات کا نتیجہ ہے کہ آج کل اولاد کے نکاح میں غیر معمولی تاخیر کی جارہی ہے، حالانکہ اسلام نے نکاح میں جلدی کو پسندیدہ اور تاخیر کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے، چنانچہ سرپرستوں کو حکم دیا گیا ہے کہ بچے جب نکاح کے قابل ہوجائیں تو ان کے نکاح میں دیر نہ کریں اگر بلاوجہ تاخیر کریں گے اور خدانخواستہ بچے کسی بے راہ روی پر پڑجائیں گے تو اسکے ذمہ دار والدین بھی ہونگے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه ،فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه

(مشکوٰۃ ۲/۲۱۲)

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی اس کو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے، بہتر تربیت کرے، اور جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے، اگر بلوغ کے بعد بھی نکاح نہیں کریگا اور وہ بچہ کسی گناہ کا ارتکاب کرلے تو اس کا وبال اس کے باپ پر ہوگا۔

اسی طرح خود نوجوانوں کو مخاطب کر کے آپؐ نے براہِ رست ارشاد فرمایا:

يا معشر الشباب من استطاع منكم البائة فليتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج

(مشکوٰۃ ۲/۱)

اے نوجوانو! جب تم میں سے کسی کو حقوقِ زوجیت کی ادائیگی پر قدرت ہوجائے تو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے کیونکہ اس سے نظر نیچی اور شرمگاہ محفوظ رہتی ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ "شباب" بلوغ سے تیس یا پینتیس سال تک کی عمر کو کہتے ہیں،

خود رسول اللہ ﷺ نے پچیس برس کی عمر میں نکاح فرمایا اور دُنیا جانتی ہے کہ آپؐ دین فطرت لے کر آئے ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ بلوغ سے ۳۰؍ برس کی عمر کا زمانہ نوجوانی کا بہترین اور عمدہ حصہ اور شادی کیلئے موزوں ترین وقت ہے، ازدواجی زندگی کی بہتری اور کامیابی کا راز اسی عمر میں پوشیدہ ہے، اور یہی غلبۂ شہوت کا بھی دور ہے، اگر اس عمر میں لڑکے اور لڑکیاں نکاح اور رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں گی تو خود ان کی عفت و عصمت بھی محفوظ رہے گی اور معاشرہ بھی اخلاقی بگاڑ سے پاک رہے گا، اور اگر اس دورِ شباب میں نکاح کرنا تو کجا اسکی بات کرنا اور آرزو ظاہر کرنا بھی سماج کی بے جا قیود و رسوم کی وجہ سے ناممکن ہو جائے تو پھر نہ ان نوجوانوں کی شرافت وطہارت باقی رہ سکے گی اور نہ ہی اسلامی معاشرہ کی پاکبازی قائم رہ سکے گی، آج کل معاشرہ میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ اور باہمی یارانہ ودوستانہ کے جو واقعات پیش آرہے ہیں عموماً اسی عمر کا طبقہ اس میں ملوث ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اس عمر میں ان کو ایک طرف ان کے شہوانی تقاضے پریشان کرتے ہیں، دوسری جانب بے حجابی وفیشن پرستی نیز مخلوط تعلیم کا عموم جس نے شرم وحیا کی دیواریں گرادیں اور عفت وعصمت کی خلیج پاٹ دی ہے، تیسری طرف سماجی ناانصافیوں اور زیادتیوں کی وجہ سے وہ اپنے والدین کی توجہ اس ضرورت کی جانب مبذول کرنے سے نہ صرف عاجز ہوتے ہیں بلکہ اس کا اشارہ بھی ان کے حق میں قابلِ ملامت جُرم ہو جاتا ہے، لامحالہ اپنے نفس کی تسکین کیلئے آزادی وبداخلاقی کی راہیں تلاش کرتے ہیں، کبھی تو نجابت وشرافت کا لباس اُتار کر آوارہ گردی وعاشقی کے دھندے شروع کردیتے ہیں یا پھر لڑکیوں کو بھگا کر لیجانے، غیر شریفانہ طریقوں حتی کہ غیر مسلموں کے طریقوں پر شادیاں رچالینے کے مرتکب ہوجاتے ہیں، اسلئے معاشرہ کے اندر پاکیزگی اور صفائی ستھرائی پیدا کرنے کا یہی ایک راستہ ہے کہ نکاح کی عمروں کا خیال کرتے ہوئے بروقت نکاح کردیئے

جائیں اور اولاد کو ایسا کوئی موقعہ نہ ملنے دیا جائے جس میں وہ آزاد ہو کر اس طرزِ زندگی کو اپنالیں جو اُن کے لئے مصیبت اور سر پرستوں کے لئے باعثِ ندامت ہو جائے۔ لیکن فی الحال ایسا ہو نہیں رہا ہے، مختلف اعذار بلکہ حیلے بہانے کر کے ٹال مٹول سے کام لیا جا رہا ہے، جب حالات معاشرہ کے بہت اچھے تھے اور عورتوں مردوں کے درمیان حیا وحجاب کا پردہ پڑا رہتا تھا تب تو ماں باپ اولاد کے نکاح کیلئے بہت جلد سوچتے تھے اور بروقت کر دیا کرتے تھے، اسکے برخلاف اب جبکہ حالات انتہائی خراب اور ناگفتہ بہ ہیں، معاشرہ ہر قسم کی حیا کھو چکا ہے، نوجوانوں پر بدکاری میں پڑ جانے کے خطرات ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں تو ماں باپ قسم قسم کے عذر لنگ بتلا کر نکاحوں میں تاخیر در تاخیر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں معاشرہ کی اصلاح ہو تو آخر کیسے؟

اکثر لوگ نکاح میں تاخیر کا آج کل یہ عذر بیان کرنے لگے ہیں کہ مناسب رشتے نہیں ملتے اس میں دیر ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب رشتے آتے ہیں تو اس میں سو طرح کے عیب نکالے جاتے ہیں اور معمولی معمولی باتوں میں مسترد کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ انتخاب کا معیار اسلام کا بتلایا ہوا نہیں ہوتا بلکہ خود ساختہ ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ لڑکا حسین بھی ہو تعلیم یافتہ بھی ہو، یافت بھی اچھی ہو، خاندان بھی نامور ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ سبھی خوبیاں کسی میں جمع ہو جائیں ایسا نادر ہی ہو سکتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسکی تمنا ہی حماقت ہے، خود ہمارے سامنے اس طرح کی حماقت وجہالت کے بیسیوں واقعات ہیں مضمون کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ایسی چند مثالیں ضرور پیش کرتے جن سے اس ظالمانہ معاشرہ کی ظلم وزیادتیوں پر مزید روشنی پڑتی، البتہ ہم اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ جیسے معتبر عالمِ دین کے قلم سے نکلی ہوئی ایک تحریر ضرور پیش کرنا چاہتے ہیں وہ آج سے ۵۰ سال قبل فرماتے ہیں:

”(مناسب رشتہ نہ ملنے کا) یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح بھی تھا اور واقعی یہ شخص

معذور تھا لیکن خود اس میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب نامناسب ہوتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ مناسب رشتہ کا مفہوم جو اُنھوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے وہی غلط ہے، جن کے اجزاء یہ ہیں: حسب نسب حضرات حسنینؓ جیسا ہو۔ اخلاق میں جنید وقت ہو۔ علم میں بوعلی سینا کا مثل ہو۔ حُسن میں یوسفؑ کا ثانی ہو۔ ثروت و ریاست میں قارون وفرعون کا ہم پلہ ہو، بس اس کا لقب "لائقِ داماد" ہوگا۔ خیر! چلئے مان لیتے ہیں کہ ان چیزوں کو مدنظر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہاں دو باتیں سمجھ لینی چاہئے، ایک تو یہ کہ غلو ہر کام میں مذموم ہے، دوسرے ایک شخص میں ان تمام صفات کا جمع ہونا بہت کم ممکن ہے۔ اسلئے صفاتِ مذکورہ اگر کسی شخص میں بقدرِ ضرورت موجود ہوں تو بھی کافی ہے، یہ تو حقیقی بات تھی، اس کے علاوہ تین الزامی جوابات بھی دیئے جاسکتے ہیں، (۱) جن صفات کو جس درجہ میں آپ دوسروں میں ڈھونڈ رہے ہیں ذرا غور کیجئے کہ جس نے آپ کو لڑکی دی ہے اس نے آپ میں ویسی ہی تفتیش کی تھی؟ اگر کرتا تو آپ کو عورت ہی میسر نہ آتی۔ (۲) جن صفات کا شوہر اپنی لڑکی کے لئے آپ تلاش کر رہے ہیں جب اپنے لڑکے کے لئے کسی کے ہاں پیغام بھیجا تھا یا آئندہ ارادہ ہے تو خود اپنے فرزند میں ان صفات کو آپ نے تلاش کرلیا؟ افسوس کہ جو خود کیلئے نہیں پسند کرتے وہ دوسروں کیلئے کیسے پسند کر لیتے ہیں۔ (۳) جس طرح تم لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈ رہے ہو اگر اس کا دسواں حصہ بھی دوسرے تمہاری لڑکی میں ڈھونڈنے لگیں تو عمر بھر ایک لڑکی بھی نہ بیاہی جاسکے۔ غرض یہ ہے کہ موقع کا رشتہ نہ ملنے کا عذر اکثر حالات میں غلط اور بے موقع ہے۔ (اصلاحِ انقلابِ امت ج:۲ص:۳۱،۳۲)

حضرت حکیم الامتؒ کی اس تحقیقی والزامی بحث سے آپ اچھی طرح جان گئے ہوں گے کہ معصوم و بے زبان لڑکیوں کی شادی میں یہ جو غیر معمولی تاخیر ہم کر رہے ہیں اس میں ہم معذور نہیں بلکہ مُجرم ہیں، کیونکہ اس تاخیر میں کسی واقعی عذر کے بجائے اپنی

ناجائز ہوس اور مذموم حرص اور جھوٹی شان کو دخل ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

بعضے ناعاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہو جانے کے بعد بھی کئی کئی برس بٹھائے رکھتے ہیں اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے حتیٰ کہ بعض بعض جگہ لڑکیاں تیس تیس اور کبھی چالیس چالیس برس کی عمر کو پہونچ جاتی ہیں، اندھے سرپرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہونے والا ہے، حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ باپ پر یا کوئی اور اس کا سرپرست ہو تو اس پر لکھا جاتا ہے، اگر کسی کو اس وعید کا خوف نہ ہو تو نہ ہو دنیا کی آبرو کو تو دنیا دار بھی سمجھتے ہیں جبکہ اس میں تو دنیا کی ذلت کا بھی اندیشہ ہے، چنانچہ کہیں حمل گرائے گئے ہیں، کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہیں، اگر کسی شریف خاندان میں ایسی کوئی حرکت نہ بھی ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو تو دل ہی دل میں کوستی رہتی ہیں، اور چونکہ وہ مظلوم ہیں ان کا کوسنا خالی نہیں جاتا''۔

آگے حضرت نہایت عبرتناک انداز میں ایسے لوگوں کی غیرت کو للکارتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ خود تو باوجود بوڑھے ہو جانے کے اپنی بڑھیا کو خلوت میں لے جا کر اس کے ساتھ عیش وعشرت کرتے ہیں اور جس غریب مظلوم کے عیش کا موسم ہے وہ پہرہ داروں کی طرح ماما کے ساتھ ان کے گھر کی چوکیداری کرتی ہے ،کیسا بے ربط خبط یعنی بے جوڑ دیوانگی ہے۔ (اصلاحِ انقلابِ امت ج:۲ص:۲۸)

ایک اور عالمِ دین حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''مظلوم لڑکیوں کی جوانی کا بہترین زمانہ بسا اوقات ان کے اولیاء کی حرص وطمع، ظلم وسنگدلی کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور وہ بے زبان بے بس پڑی رہتی ہیں''

(نقش دوام ص:۲۱)

اس مضمون میں اگر چہ زیادہ تر لڑکیوں کے سرپرستوں کو تنبیہ کی گئی ہے مگر مخاطب لڑکوں کے سرپرست بھی ہیں، کیونکہ لڑکوں کے والدین کا حال بھی یہی ہے کہ نہ بچوں کا مطالبہ کرنا انہیں اچھا لگتا ہے نہ اپنی طرف سے بروقت اسکی فکر کرتے ہیں، چاہے بچے گُھٹ گُھٹ کے مرتے رہیں، چاہے غیروں کی لڑکیاں بھگا کے لے جائیں، چاہے گندی اور ملعون حرکتوں کے ذریعہ اپنی جوانی و مردانگی داؤ پر لگاتے ہیں۔اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کونسی ہمدردی اور خیر خواہی ہے؟

بہرحال نکاحوں میں تاخیر کے سلسلہ میں آج کل جو عذر کئے جاتے ہیں وہ عذر لنگ ہیں، اگر سادگی وسنت کے مطابق ایک ضرورت سمجھ کر بچوں کی شادیاں کرنا چاہیں اور اس کو خواہش محض کے بجائے ضرورت وعبادت سمجھیں تو آج بھی یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے، بہ سہولت ہوسکتا ہے، چاہنے والے کر بھی رہے ہیں، اسلئے ضرورت ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے انتخاب کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے خود واقفیت حاصل کی جائے اور امت میں اسکو عام کیا جائے۔

اگلے مضمون میں شادی کیلئے لڑکوں اور لڑکیوں کے انتخاب سے متعلق اسلامی راہنمائی کا ذکر کیا جارہا ہے۔

حقیقتِ دنیا

یہ عالم عیش وعشرت کا یہ دنیا کیف ومستی کی
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سے حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں، اور عالم افسانہ ہو جائے

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ
وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ
وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ وَلَا تُنۡكِحُوا
الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا وَلَعَبۡدٌ
مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ
اَعۡجَبَكُمۡ

۵

مشرک بدعقیدہ عورتوں سے ان کے مومن ہونے تک نکاح مت کرو، یقیناً ایک ایمان والی باندی بے ایمان آزاد عورت سے بہتر ہے ،خواہ وہ تمہیں کتنی ہی اچھی لگے ،اور مشرک مردوں سے ایمان والی عورتوں کا نکاح مت کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے اگر چہ وہ تم کو کتنا ہی بھلا لگے۔

(سورۃ البقرہ آیت:۲۲۱)

لڑکے کے انتخاب کا اسلامی معیار

لڑکے اور لڑکیوں کا انتخاب اس زمانے میں ——— خصوصاً بڑے شہروں میں ——— ایک معمے سے کم نہیں ہے، لوگوں نے داماد اور بہو کا معیارِ انتخاب ایسا تجویز کرلیا ہے جو محض اغراضِ نفسانیہ پر مشتمل ہے، اس میں دین اور دینی تعلیمات کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا، اس کی وجہ سے رشتے جُڑنے اور کام بننے میں بڑی دشواریاں اور رکاوٹیں پیش آرہی ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلہ میں نہایت جامع ومانع تعلیم امت کو دی ہے، لڑکا کیسا ہونا چاہیئے؟ اس کی راہنمائی زبانِ نبوت سے ملاحظہ فرمایئے، ارشاد فرمایا:

اذا خطب الیکم من ترضون دینہ وخلقہ فزوجوھن الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض

(مشکوٰۃ عن الترمذی ۲/۲۰۲)

جب تمہارے پاس تمہاری لڑکیوں کے لئے کوئی ایسا شخص پیغام بھیجے جس کی دینداری واخلاق مندی تمہیں پسند آجائے تو تم انھیں ان سے بیاہ دو، ورنہ زمین پر ایک فتنہ اور عالمگیر فساد برپا ہوجائے گا۔

اس پاک ارشاد میں آپ ﷺ نے لڑکیوں کے اولیاء کو لڑکوں کے انتخاب کے دوران ان کے دین واخلاق کو بنیادی اہمیت دینے کی ترغیب دے کر معصوم وبے زبان بیٹیوں کی ازدواجی زندگی پر زبردست احسان فرمایا ہے، غور کیجئے تو دین دوستی واخلاق مندی کے علاوہ دنیا میں کوئی ایسا طریقہ نہیں جس کے ذریعہ زندگی پُر لطف وبامسرت بن سکے، نبی کریم ﷺ کے ارشاد فرمودہ ان بے بہا اصولوں کو نظر انداز کر کے آج ہم نے لڑکوں کی ڈگریوں اور نوکریوں کو اصل مقصود بنالیا ہے، جس کے نتیجہ میں کتنی معصوم ومظلوم بیٹیاں ہیں جو ڈاکٹروں، انجینیروں اور سرمایہ داروں کے پُر عیش وعشرت محلات میں پہونچ کر بھی ان میں انسانیت کے جوہر اصلی ’’دین واخلاق‘‘ کے معدوم ہونے کی بناء موت کو زندگی پر ترجیح دے رہی ہیں، یا پھر ان کے رنگ میں رنگ کر دین سے دور،

اخلاق سے نفور ہوتی جارہی ہیں، ان کے علاوہ ان خودساختہ اور اپنی طرف سے وضع کردہ معیارات کی پابندی بلکہ اس میں شرمناک حد تک غلو وسختی کی وجہ سے سماج میں رشتوں کے جُڑنے کا عمل مشکل ہوگیا ہے، اور نکاح کی ضرورت پوری ہونا انتظار طلب اور صبر آزما کام بن گیا ہے، اور اس کے نتیجے میں معاشقہ بازی، بدکرداری، ہم جنس پرستی، اور اخلاقی بے راہ روی عام ہوتی جارہی ہے، حد یہ ہے کہ اب غیر مسلموں کے ساتھ لڑکیوں کے بھاگ جانے اور مندروں میں پہونچ کر ہندوانہ طریق پر نکاح کر لینے کے واقعات بھی بلامبالغہ روز افزوں ہوتے جارہے ہیں ـــــ والعیاذ باللّٰہ ـــــ اسی کو آپ ﷺ نے حدیث بالا میں ''فساد وفتنہ'' سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیونکہ جب تم اپنی لڑکیوں کا نکاح مالداروں اور جاہ والوں ہی سے کرنے کا التزام کرلوگے تو پھر تمہاری بہت سی عورتیں بغیر شوہروں کے، اور بہت مرد بغیر بیویوں کے رہ جائیں گے، اس تبتُّل اور تجرد کی وجہ سے سماج میں زنا کی کثرت ہوجائے گی، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی جنسی بے راہ روی اور اخلاقی گمراہی کے واقعات سے بڑوں کو شرمندگی اُٹھانی پڑے گی، اس طرح معاشرہ میں فتنہ وفساد عام ہوجائیگا۔ (مرقاۃ المفاتیح: ۱۹۲/۶)

لڑکی کے انتخاب کا اسلامی معیار

تنکح المرأة لاربع لمالها و لحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك

(رواہ مسلم: ۷۹۸)

عورت سے نکاح میں علی العموم ان چار چیزوں میں سے کوئی ایک مدنظر ہوتی ہے۔ مال، حسب، جمال، دین (اے مخاطب تو نکاح کے مسئلہ میں) دیندار عورت کو ترجیح دے کر کامیابی حاصل کرلے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''مومن تقوی اللہ کے بعد نیک بیوی سے زیادہ کسی چیز سے مستفید نہیں ہوتا (مشکوٰۃ ص:۲۶۸) آگے اسی حدیث میں آپ نے نیک بیوی کی عادات وصفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کی سراپا اطاعت ہوتی ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اپنی عفت اور اس کے مال کی محافظ ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا حقیقی کمال، اس کا حسن و جمال، مال ومنال، نہیں بلکہ جذبۂ اطاعت واحساسِ عفت ہے، معیارِ انتخاب میں حسن و جمال کی رعایت اگرچہ مذموم ومکروہ نہیں، لیکن اس میں غلو مبالغہ ضرور مذموم ہے، حدیث کا مقصود صرف یہ ہیکہ ان ناپائیدار و مائل بہ زوال اوصاف کو ثانوی درجہ دیا جائے، اہم واقدم جو چیز ہونی چاہئے وہ دینداری کا وصف ہے کیونکہ دینداری ورواداری کے علاوہ کوئی وصف زندگی کے نشیب وفراز اور حالات کے انقلاب کا مقابلہ نہیں کرسکتا، لہذا مسلمان لڑکوں کی مائیں اپنی ''بہو'' کے انتخاب وتلاش کے سلسلہ میں اس کے چہرے کی گولائی ولمبائی، پیشانی کی اونچائی، قد کی بلندی وپستی، رنگ کی کمی وزیادتی، آنکھوں کی نفاست، بالوں کی طوالت، علمی لیاقت، شوخی وذہانت جیسے امور کو معیار انتخاب بنانے —— جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عام ہوگیا ہے —— کے بجائے نمازوں کا اہتمام پردہ کا التزام، بڑوں کا اکرام واحترام اور اوامر کی اطاعت، نواہی سے حفاظت، گفتگو کی نرمی، جستجو کی گرمی جیسی قابل قدر ولائق فخر امور کو بنالیں تو اپنی اولاد کے حق میں بڑی خیر خواہی ہوگی، اس طرح وہ آئے دن کے جھگڑوں سے بچ کر دین ودنیا کی حسنات سے مستفید ہوں گے۔ چنانچہ خود نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

من اراد ان یلقی اللہ طاھرا مطھرا فلیتزوج الحرائر (ابن ماجہ:۱۸۴۷)	جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاکدامنی کی حالت میں ملنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ شریف عورت سے نکاح کرے۔

اسی طرح آپ ؐ کا ارشاد ہے:

عورت سے محض اسکی مالداری کی وجہ سے شادی نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ اس کا مال اس کو تمہارا باغی بنادے، اور نہ محض حسن ظاہری کی بنیاد پر کرو ممکن ہے کہ اس کا پندارِ حسن تمہیں ہلاکت میں ڈالدے، یاد رکھو کہ ایک کالی کلوٹی کم سمجھ مگر دیندار باندی تمہارے لئے صاحبِ حیثیت مگر بے دین عورت سے کہیں بہتر ہے۔ (ابن ماجہ:۱۸۵۹)

رشتے بڑوں کے ذریعہ طئے کئے جائیں

آج کل بے پردگی و بے حجابی کے شیوع اور کالجوں کی مخلوط تعلیم کے نتیجہ میں باہمی رضامندی سے نکاحوں کا سلسلہ بھی چل پڑا ہے، لڑکے اور لڑکیاں چلتے پھرتے ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہوکر آپس میں وعدے اور قسمیں کر لیتے ہیں کہ ایک دوسرے سے نکاح کرلیں گے، پھر نہ ماں باپ کی مانتے ہیں اور نہ خاندان کی، ان کے رائے کے برخلاف انہیں سب دشمن ہی معلوم ہوتے ہیں، کسی کو خیر خواہ نہیں سمجھتے۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ باہمی رضامندی اور آپسی تعلقات کی بنیاد پر طئے ہونے والے رشتوں کی ناپائداری وکمزوری کی حقیقت کھولتے ہوئے فرماتے ہیں:

بی بی کی شکل وصورت کا سوال چند سال گذر جانے کے بعد کچھ اہم نہیں رہتا، درجہ ثانوی پر آجاتا ہے، ناک نقشہ ہر جواں عورت کا مرد کے جذبۂ شوق کو تسکین دینے کیلئے کم وبیش یکساں ہی ہوتا ہے، فطرت کہنا چاہئے کہ ہر جوان عورت کے چہرہ پر ماء الشباب کا غازہ مل کر (یعنی جوانی کا پانی چھڑک کر) اسے مرد کیلئے قبول صورت بنا ہی دیتی ہے، لیکن ازدواجی زندگی کا سابقہ پڑنے کے بعد خصوصاً ہمہ عمری اور ہمہ جہتی سابقہ پڑنے پر صورت سے کہیں بڑھ کر سیرت کو اہمیت حاصل ہوجاتی ہے اور سیرت کا مفہوم بڑا وسیع ہے، میاں بیوی کا سابقہ دنیا کے تمام سابقوں سے نرالا ہے، یہ بات سب کے کام کی اور بڑے تجربہ کی لکھ رہا ہوں، اپنے اوپر خوب بیتی ہوئی اور اسے خوب بھگتے ہوئے ''

(آپ بیتی ص:۱۸۵)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ احادیثِ شریفہ کی روشنی میں اسلامی نکاح کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے نکاح اور شادی کا جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سر پرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب اور استدعا کی جائے، لڑکی والے اگر اس رشتہ کو مناسب اور قرینِ مصلحت سمجھ لیں تو عورت کے عاقلہ و بالغہ صاحبِ رائے ہونے کی صورت میں اس کی مرضی معلوم کر کے اور کم سن ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کر لیں اور نکاح کر دیں، ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت وحکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح وشادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ نکاح کرنے والی عورت پر عائد ہونگی اور وہی ساری عمر کے لئے اس کی پابند ہوگی، اس لئے اسکی رائے اور رضا مندی جاننا بھی ضروری قرار دیا گیا، ولی اور سر پرست کو حق نہیں کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح زبردستی کردے۔ اسی کے ساتھ عورت کے شرفِ نسوانیت کی رعایت میں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سر پرستوں ہی کے ذریعہ سے طے ہو اور وہی عقدِ نکاح کرنے والے ہوں، یہ بات عورت کے مقام وشرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہِ راست طئے کرلے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دیدے۔ علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں، اس وجہ سے اولیاء (خاندانی بزرگوں) کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے سپرد کر دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکہ کھا جائے اور کسی کے دامِ فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کر لے ان سب وجوہ کی بناء پر

ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح وشادی اولیاء ہی کے ذریعہ سے ہو" (معاف الحدیث ص:۷/۹)

یہ تو لڑکی کے بارے میں شریعت کی طرف سے اس کے اولیاء اور سرپرستوں کو دی گئی تعلیم تھی کہ باہمی گفتگو اور آپسی تعلقات کے ذریعہ اپنا نکاح خود طئے نہ کریں بلکہ اپنے بڑوں کے ذریعہ اپنے رشتے طئے کروائیں، کیونکہ اسی میں ان کی ہر طرح کی خیر اور بھلائی ہے، پھر جس طرح اس معاملہ میں لڑکیوں کیلئے خودمختاری وآزادی مناسب نہیں ہے اسی طرح خود لڑکوں کیلئے بھی یہی ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے لڑکی کے انتخاب کو سرپرستوں ہی کے حوالہ کردیں، خود ہی پسند نہ کرلیں کیونکہ جوانی میں علی العموم ان کے مدنظر حسن وجمال تو ہوتا ہے لیکن ان اوصاف کی رعایت —— جو ایک کامیاب ازدواجی زندگی اور پرسکون تعلقات باہمی کے لئے ناگزیر اور ضروری ہوتے ہیں —— پیش نظر نہیں رہتی، جس کی وجہ سے یہ باہمی رضامندی سے طئے ہونے والے رشتے تجربہ یہی ہے کہ اکثر چند ہی دنوں کے بعد خلاف وتضاد کا شکار ہو کر ایک دوسرے کے حق میں سوہانِ روح اور آفتِ جان ثابت ہوتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی ہمارے لئے مشعلِ راہ اور نمونۂ عمل ہے۔ دیکھئے! جس وقت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے آپ ؐ کی خدمت میں اپنا پیغامِ نکاح بھیجا تو روایات سیرت سے معلوم ہوتا ہیکہ آپ ؐ نے ازخود فیصلہ نہیں فرمایا، بلکہ اس پیشکش کو اپنے ولی اور سرپرست خواجہ ابوطالب کے سامنے رکھ کر ان سے اس اہم معاملہ میں رہبری چاہی اور پھر ان کی صوابدید اور تائید کے بعد قبولیت کا جواب بھیجا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج:۱ص:۱۱۱)

اولاد کے ساتھ سچی خیرخواہی کیجئے

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نکاح کے معاملہ میں زوجین اپنے جذبات کے مقابلہ

میں بڑوں کے تجربات کو مقدم کریں تو لازمی اور ضروری ہے کہ اولیاء وسرپرستان بھی ان کے معاملہ میں دیانت وامانت سے کام لیں ،اور جہاں ظاہری صورت وشکل کا لحاظ کریں وہیں دین وایمان اوراخلاق وکردار میں خوب سے خوب تر کی تلاش کریں بلکہ اگرضرورت ہوتو صورت وشکل کے معیار کو کم کریں مگر ایمان واخلاق کے معیار میں کوتاہی نہ ہونے دیں تا کہ یہ رشتہ ان کے حق میں مسرت افزاء اور سکون بخش ثابت ہوسکے،اسکے برخلاف اگرسرپرست حضرات زروزیور کی ہوس اور تعلیم وتہذیبِ جدید کی حرص کا شکار ہوکر ایسا انتخاب کریں جس میں اخلاق واقدار کا فقدان ہوتو یقیناً ان کا یہ اقدام اولاد کے حق میں خائنانہ ہوگا اورانھیں اپنی اولاد کی دین وایمان کی بربادی کے سلسلہ میں عنداللہ جوابدہ ہونا پڑے گا۔اسی کے ساتھ سرپرستوں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کی جائز پسند کا بھی لحاظ رکھیں،انہیں بلاتکلف اظہار کا موقعہ دیں،یا ان کے ہم عمروں کے ذریعہ معلوم کرلیں، بہت سے ظالم ماں باپ مناسبت نہ ہونے اورناگواری وناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے باوجود زبردستی اپنی پسند ہی کے مطابق نکاح کر لینے پر مجبور کردیتے ہیں، پھراس کے بہت ہی تلخ نتائج سامنے آتے ہیں اس لئے بچوں سے تبادلۂ خیال کرکے ان کی جائز پسند اور حلال خواہش کو رشتوں کی تلاش وانتخاب میں ملحوظ رکھنا ہی ان کیساتھ سچی محبت اور خیرخواہی ہے۔

اسلام کی ان واضح راہنمائیوں کی روشنی میں دین واخلاق کی ترجیح کے ساتھ رشتے طئے کرنے کا مرحلہ نکل جائے تو اب جلد از جلد کوئی مناسب وقت طرفین کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے طئے کرکے انتہائی سادگی اور ارزانی کے ساتھ دونوں کو نکاح کے بندھن میں جوڑ دیا جائے ،تکلفات واخراجات سے ممکنہ حد تک بچنے کی کوشش کی جائے۔

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی مبارک تعلیمات اگلے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ
یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذَالِکَ قِوَاماً

٦

رحمٰن کے خاص بندے جب کچھ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اعتدال کی راہ پر قائم رہتے ہیں۔

(سورۃ الفرقان آیت: ٦٧)

نکاح کا اسلامی تصور

جب لڑکے اور لڑکی کا انتخاب اسلامی تعلیمات اور نبوی ہدایات کے مطابق ایمان اخلاق کو بنیاد بنا کر کرلیا گیا تو اب ان دونوں کو رشتہ ازدواج میں باقاعدہ منسلک کردینے کی کاروائی باقی رہ جاتی ہے، لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ہمارے سماج میں جس طرح رشتوں کے انتخاب میں غلو و بے اعتدالی حد سے تجاوز کرگئی ہے اسی طرح نکاح کی تکمیل بھی افسوسناک حد تک ظلم وزیادتی اور اسراف وفضول خرچی کی بدترین مثال بن گئی ہے، بلکہ اس میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں اسلام نے ہمیں کوئی طریقہ کار اور راہِ عمل نہ بتلائی ہو، کیوں کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے رشتے ڈھونڈھنے کا اسلامی طریقہ سکھلایا ہے اسی طرح ان کی تکمیل کی آسان وباوقار صورت سے بھی امت کو آگاہ فرمایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ان اعظم النکاح برکة ایسره مؤنة — یقیناً بابرکت نکاح وہی ہے جو کم سے کم مصارف میں ہوا ہو۔ (مشکوٰۃ:۲/۲۰۱۹)

ملا علی قاریؒ اس حدیث کے ذیل میں وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ایسرہ مؤنۃ سے مقدار مہر ومصارف نکاح میں تقلیل اور سہولت مراد ہے تاکہ امت کو عملی طور پر اس دولت قناعت کی طرف توجہ ہوجائے جو نہ کبھی گھٹتی ہے اور نہ کبھی ختم ہوتی ہے، جبکہ قناعت کے علاوہ کوئی دولت پائیدار وسکون بخش نہیں سب فنا پذیر ہیں۔

(مرقاۃ ج:۶ص:۱۹۴)

یہ ہدایت صرف امت ہی کیلئے نہ تھی، خود آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی اسی ہدایت کے موافق تھا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں کی شادیاں کیں، خود اپنے لئے متعدد نکاح فرمائے، ان سب کی خوبی یہ ہے کہ یہ نہایت سادگی کیساتھ اس طرح انجام پائے کہ ایک جھونپڑی میں رہنے والا غریب بھی اس پر بلاکسی مشقت کے عمل پیرا ہوسکتا ہے، آپ چاہیں تو

سیرت کی کتابوں میں ازواجِ مطہرات اور بناتِ طاہرات کی شادیوں کے واقعات پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لیں آپ کی سہولت کیلئے اسی رسالہ میں مضمون نمبر (۸) کے تحت حضرت فاطمہؓ کے نکاح علاوہ اور بھی اور چند مثالی واقعات بیان کئے جارہے ہیں۔

اسی اسوۂ حسنہ اور مبارک نمونہ کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے معاشرہ میں اور ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک شادی سادی ہوا کرتی تھی، اس کے لئے مہینوں بلکہ برسوں پہلے سے متفکر ہونا نہیں پڑتا تھا، بڑے بڑے شادی خانے بُک کرانے کی ضرورت تھی نہ قیمتی قیمتی رقعے چھپانے کی حاجت، نہ جہیز کا مسئلہ نہ جوڑے کا جھگڑا! واقعہ یہ ہے کہ نکاح بھی دوسرے حوائج بشریہ کی طرح ایک طبعی و فطری ضرورت ہے جس کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال وآسان طریقہ کار کا ہمیں پابند فرمایا ہے، اس کیلئے ایک ہنگامہ برپا کرنے اور ہوس وحرص کا ہوّا کھڑا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

مشہور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں۔

"اسلام میں نکاح کا طریقہ اور شادی کی تقریب بہت سادہ اور مختصر ہے اس کو زندگی کا ایک فریضہ، ایک فطری تقاضہ اور ایک عبادت کی حیثیت سے ادا کیا جاتا ہے، صرف ایجاب وقبول کے دو لفظ اور دو گواہ اس کے لئے کافی ہیں، اس کا مقصد یہ ضمانت ہے کہ یہ تعلق مجرمانہ اور رازدارانہ طریقہ پر اور چوری چھپے نہیں ہے، اسی لئے کسی قدر اعلان اور تشہیر کے ساتھ اس کا ہونا ضروری ہے۔ اسلام کی تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد کم اور آبادی مختصر ہونے کے باوجود بعض ایسے صحابہ کرامؓ نے مدینہ میں اپنی شادی کی جن کے آپ ﷺ سے نہایت گہرے اور خاندانی تعلقات تھے اس کے باوجود خود پیغمبرؐ —— جن کی شرکت موجبِ عزت بھی تھی اور باعثِ برکت بھی —— کی محفلِ نکاح میں شرکت کی دعوت کو انہوں نے ضروری نہ سمجھا"۔ (ہندوستانی مسلمان)

الغرض! آنحضرت ﷺ کا یہ ارشادگرامی ”بابرکت نکاح وہی ہے جس میں خرچہ کم ہو“ بتلا رہا ہے کہ اسلام میں نکاح کیلئے سادگی اور کم خرچی مطلوب ہے، اور ہمارے معاشرہ میں جاری موجودہ تصورِ نکاح اسلامی تصورِ نکاح کے بالکل خلاف ہے۔

نکاح کا جاہلی تصور

نکاح کے جاہلی تصور کا نقشہ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ایک جگہ اس طرح کھینچا ہے:

”اس وقت دنیائے اسلام میں اور خاص طور پر ہندوستان میں شادی ایک بڑی پیچیدہ اور طویل رسم، نہایت پُر مصارف کام اور شان وشوکت اور خاندان کی مالی وشہری حیثیت کے اظہار کا ذریعہ بن گئی ہے، اور بعض حالات میں تو وہ ایک سخت مصیبت و پریشانی اور زیر باری کا ذریعہ اور دردِ سر بن کر رہ گئی ہے۔ اچھے اچھے دیندار اور تعلیم یافتہ خاندانوں میں اب بھی شادیاں بڑی دھوم دھام، تزک واحتشام سے کی جاتی ہیں، محفلِ نکاح میں بڑی شان وشوکت کا اظہار اور زینت وآراستگی کی جاتی ہے اس سلسلہ میں شان وشوکت اور اپنے تعلقات کی وسعت کے اظہار کے لئے بہت سے ایسے نئے طریقے متعارف ہوئے ہیں جو پہلے مروج نہیں تھے، اور بہت جگہ مصارف ہزاروں سے تجاوز ہو کر لاکھوں کی رقم تک پہونچ جاتے ہیں جن لوگوں کے پاس رقم نہیں ہوتی وہ اس کے لئے قرض اور بعض وقت بلکہ اکثر وقت سودی قرض لیتے ہیں نام ونمود فخر وتعلّی اور مسابقت کے جذبات بھی اس میں خوب کام کرتے ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی شادیوں میں کچھ (بلکہ بہت کچھ) اجزاء مقامی ہیں جو یہیں کے مسلمانوں کی خصوصیت بن گئے ہیں، دوسرے ملکوں کے مسلمان ان سے آشنا بھی نہیں مثلاً لڑکے کی طرف سے فرمائش اور مطالبات ہوتے ہیں جن کا پورا کرنا لڑکی والے کے لئے ضروری ہوتا ہے، کیا اس کا کوئی اخلاقی جواز ہوسکتا ہے؟ یہاں اس بحث

کا موقعہ نہیں کہ اس سے اب لڑکیوں کو مناسب جوڑا ملنے اور ان کے والدین کے لئے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے میں کیسی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں اور انہوں نے زندگی کو کتنا تلخ اور شادی کو کیسا عذاب بنا دیا ہے۔اسی طرح لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا رواج جو ایک اچھا خاصہ ولیمہ معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ بیسیوں رسمیں ایسی ہیں جو ہندوستانی خاندانوں میں ابھی تک مروج ہیں، ان سطروں کے لکھتے وقت یہ افسوسناک خبر اخباروں میں پڑھنے میں آئی ہے کہ ریاستِ بہار کے ایک مسلمان مارکٹنگ آفیسر نے اس بناء پر خودکشی کر لی کہ وہ اپنی چار بیٹیوں کے لئے لڑکے والوں کے مطلوبہ جہیز کی فرمائش پوری کرنے سے قاصر تھے۔اس معتبر اخبار کے بیان کے مطابق صرف دہلی میں اب جہیز کے لئے ہر بارہ گھنٹے میں ایک دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے“

(ہندوستانی مسلمان ص:۳۵ ملخصاً)

محدثِ وقت علامہ کشمیریؒ جمعیۃ علماء ہند کے خطبہ صدارت میں اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہماری بدقسمتی کی داستان طویل ہے، ہم نے خود اپنے ہاتھوں شادیوں کو اپنے لئے پھانسی کا تختہ بنا رکھا ہے، اسراف وفضول خرچی کی انتہا ہے، برادری میں ناک کٹ جانے کے اندیشہ سے سودی قرض لے کر تباہی و بربادی کو دعوت دی جاتی ہے، میں خود بہت سی ایسی مثالیں جانتا ہوں، بڑے بڑے صاحبِ جائداد وثروت نے اپنی اولاد کی شادی کر کے خود کو نانِ شبینہ کا محتاج بنا لیا ہے، اور پھر ان کی عمر ساری ہلاکت وتباہی میں گذری، حالانکہ فضول خرچی کو قرآن مجید نے اپنے بے لاگ انداز میں کارِ شیطان قرار دیا ہے“۔ (نقش دوام ص:۲۳۶)

سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے نکاح کو اس قدر آسان بنایا تھا کہ اس کی برکت سے زنا جیسی بے حیائی کا وجود معاشرہ سے ختم

ہو گیا تھا، اب ہم نے نکاح کو اس درجہ مشکل بنا دیا ہے کہ معاشرہ میں زنا آسان بلکہ عام ہو گیا اور ہوتا جا رہا ہے۔ ان بے جا رسومات کی پابندی نے اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ اگر ان رسومات و مطالبات کو پورا کرنے کی کسی میں سکت نہیں ہے تو وہ یا تو غیر اخلاقی حرکتوں اور شرمناک افعال کا مرتکب ہو جائے یا پھر خودکشی کا راستہ اختیار کر لے۔ چنانچہ امت کے کتنے شریف و عفیف گھرانے ایسے ہیں جن کی بیٹیاں سماج کے دولت مندوں کی پیدا کردہ ان بے ہودہ رسومات اور نوجوانوں اور ان کے سرپرستوں کے جارحانہ مطالبات سے عاجز آ کر اپنی عزت و عصمت کو نیلام کر رہی ہیں یا پھر خودکشی اور خودسوزی جیسے انتہائی خطرناک اقدام کی مرتکب بن رہی ہیں۔ آئے دن اخبارات اس قسم کے شرمناک واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ (نقش دوام)

اس کی وجہ وہی ہے کہ کبھی نکاح چند دراہم میں بآسانی ہو جاتا تھا اور اب سیکڑوں نہیں ہزاروں میں بھی ہونا مشکل ہے، فریقین کی بڑھتی ہوئی ہوس پرستی و دنیا طلبی کا حال یہ ہے کہ لڑکی دیکھی اور پسند بھی آ گئی مگر اس کے بعد کئی کئی ہفتے اور مہینے ان مسائل کے حل کرنے میں نکل جاتے ہیں کہ کتنے آدمیوں کو دعوت دیں گے؟ کیا کھلائیں گے؟ کہاں کھلائیں گے؟ جہیز کیا دیں گے؟ جوڑے کے نام سے بھیک کتنی دیں گے؟ لڑکی کے گلے میں کتنا زیور پہنائیں گے؟ نوشہ کی کار پر پھول کتنے ہوں گے؟ خدا جانے کتنی آفتیں اور مصیبتیں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مرتبہ یہ غیر ضروری مسائل اور ظالمانہ مطالبات قطع نسبت یعنی رشتے کے ختم ہو جانے اور ٹوٹ جانے کا سبب تک بن جاتے ہیں، حالانکہ نکاح کے سلسلہ میں ان مسائل اور مطالبات کی نہ شرع شریف میں کوئی اہمیت ہے نہ عقل سلیم کے نزدیک کوئی مقام ہے۔ اس کے باوجود ان غیر شرعی اور غیر عقلی حرکتوں کو لوازماتِ نکاح میں زبردستی شامل کر کے لڑکے والوں نے ایک طرف شادی بیاہ کے مسئلہ کو گھمبیر اور گرانبار مسئلہ بنا دیا، تو دوسری جانب خود کو سوال کی ذلت میں اور لڑکی والوں کو اسراف کی حرمت میں مبتلا کر دیا ہے۔

جہیز کی حقیقت اور اس میں غلو کے نقصانات

ادھر لڑکی والے بھی جہیز کے نام پر غیر ضروری اخراجات اور اسراف وتبذیر کا مظاہرہ کرنے کے عادی ہو گئے ہیں، کچھ تو خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر، کچھ حیثیتِ عرفی کے جھوٹے اظہار کے لئے اور کچھ برادری وبستی میں شہرت وافتخار کی خاطر! اسی طرح کبھی مطالبات کے دباؤ میں آ کر۔

چنانچہ غرباء میں جہیز کے اندر بے شمار و بے ضرورت اشیاء کی خاندان کے رواج کے مطابق تکمیل کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ وہ کتنے ہی گھٹیا اور گئے گذرے معیار کے کیوں نہ ہوں، اور امراء میں ان اشیاء کے معیارات میں تقابل وتفاخر پر نظر رکھی جاتی ہے، ان کی باقاعدہ نمائش بھی کی جاتی ہے اور یہ سب چیزیں جن کی اس وقت کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی اسی موقعہ پر جمع کرنے اور دینے کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ اس کے لئے قرض تک لینے کی نوبت آ جائے۔

حالانکہ جہیز ـــــ جو عربی زبان کا لفظ ہے اور جس کے معنی تیاری کرنے کے ہیں اسی لفظ سے میت کی تیاری کو بھی تجہیز کہتے ہیں ـــــ کی حقیقت بس اس قدر ہے کہ زوجین کو ایکدوسرے سے استمتاع کیلئے اور زندگی بسر کرنے کیلئے بقدر ضرورت سامان فراہم کر دیا جائے، جیسے نبی کریم ﷺ نے اپنے زیر کفالت چچازاد بھائی سیدنا حضرت علیؓ اور اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کی ازدواجی زندگی کیلئے اشیاء ضروریہ فراہم فرمادی تھیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حضرت علیؓ کے اس ارشاد:

جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فى خميل وقربة ووسادة حشوها اذخر	رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز کے طور پر ایک پلودار چادر اور ایک مشکیزہ ایک گھاس بھرا ہوا تکیہ دیا تھا

کے تحت فرماتے ہیں کہ حدیث کے لفظ ''جهز'' کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضروریات کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے لئے

رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؓ کے سر پرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا، کیونکہ یہ ضروری چیزیں بھی ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ (معارف الحدیث: ۷/۳۰)

کیا آج نکاح کرنیوالا نوجوان بھی ایسی ہی جز معاشی میں مبتلا ہوتا ہے کہ شب بسری کیلئے ایک بچھونے اور گھر گرہستی کیلئے ایک مشکیزہ اور مٹکے سے بھی محروم ہو، ہرگز نہیں! اسلئے کہ آج جب تک لڑکا معاشی اعتبار سے خود مکتفی نہیں ہو جاتا تب تک نہ ماں باپ اسکی شادی کیلئے تیار ہوتے ہیں اور نہ ہی کوئی اسکو بیٹی دینے کیلئے راضی ہوتا ہے، جب ایسی بات ہے تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات زندگی کیلئے خود ہی انتظام کرنا چاہئے، حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے تو اس کا مرتبہ عورت پر بڑھا کر اسے فوقیت وفضیلت دی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (سورۃ النساء: ۳۴)

مرد لوگ عورتوں پر حاکم اسوجہ سے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی (تخلیقی طور پر) بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد لوگ اپنا مال ان پر خرچ کرتے ہیں۔

اس فطری نظام کے برخلاف عورت مرد پر اپنا مال خرچ کرے گی تو قوامیت اور فوقیت کی حقدار عورت ہو جائیگی، چنانچہ ایسے گھروں میں عملاً یہی ہو رہا ہے، جو مردوں کیلئے انتہائی شرمناک اور افسوسناک صورتحال ہے۔

لا حول ولا قوہ کیا الٹا زمانہ ہے
عورت تو ہے مردانہ اور مرد زنانہ

بہرحال! پہلے تو یہی بات طئے نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ ہلکا پھلکا سامان حضرت فاطمہؓ کے نکاح کے موقعہ پر حضرت علیؓ کے گھر بھیجا تھا وہ حضرت فاطمہؓ کا جہیز تھا یا حضرت علیؓ کیلئے اسبابِ زندگی کی فراہمی تھی، اور اگر بالفرض اسے حضرت

فاطمہؓ کا جہیز مان کر اس کا جواز اور گنجائش نکال بھی لی جائے تو بھی زیادہ سے زیادہ اس قدر گنجائش نکل سکتی ہے کہ زوجین کو نکاح کے وقت فوری طور پر پیش آنے والی اور سخت ناگزیر ضرورت کی اشیاء فراہم کردی جائیں، نہ کہ موجودہ رواج کے مطابق بے ضرورت و بے مصرف اسباب کا ڈھیر لگا دیا جائے، مروجہ جہیز میں بعض سامان تو ایسے ہوتے ہیں کہ برسوں نہ ان کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ ان سے کوئی فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ان کے دینے سے بس رسم کی تکمیل مقصود ہوتی ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے اور لڑکی کے ولی کے پاس کوئی تنگی نہیں ہے تب بھی عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ جہیز اور دعوت کے مصارف کو ضرورت کے درجہ تک محدود کر کے اس بچے ہوئے پیسے سے اپنی لڑکی کے حق میں مفید و کارآمد چیز فراہم کرنے کی صورت نکالی جائے یا کسی اور غریب لڑکی کیلئے اس پیسے سے سامانِ ضرورت مہیا کر دیا جائے، ذرا غور کرنے سے خود خاندان بلکہ خونی رشتوں میں ایسے کئی ضرورتمند مواقع نکل آئیں گے، مگر جب عقلوں پر ہوا و ہوس اور غرور و نخوت کے پردے پڑ جاتے ہیں تو عقلمندی کے کاموں کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔

دعوتوں کا خواہ مخواہ بوجھ

جہیز کے سامان کے علاوہ دعوتوں کی شان بھی اب مستقل روگ بن گئی ہے، سینکڑوں لوگوں کی دعوت اور لاکھوں کا خرچ معمول کی چیز بن گئی ہے، شادی خانوں کے انتخاب سے لیکر کھانوں کی انواع واقسام تک، اسی طرح دعوت ناموں کی نوعیت سے لیکر شہ نشین کی زینت تک بیسیوں مراحل ہیں، اور ہر مرحلہ میں حیثیتِ عرفی اور عزتِ شخصی اس طرح گروی ہے کہ اگر اسراف وتبذیر کے شیطانی ہتھکنڈے اور فضول خرچیوں کے نفسانی تقاضے پورے نہ کر لئے جائیں تو گویا یہ شخص اب انسانوں کی صف سے نکل کر جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا، افسوس! کس خبط اور حماقت میں مسلمان مبتلا ہو گئے۔

مختصر یہ کہ شادی بیاہ کے ساتھ جوڑی گئی تمام ہندوانی رسمیں اور شیطانی مطالبات محض فضول خرچی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ مال کا ناجائز استعمال ہے، اور فضول خرچی اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ صفت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (سور الانعام:۱۴۲)

اسراف مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنَ وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّهٖ کَفُوْراً (سورۂ بنی اسرائیل:۲۷)

بیشک فضول خرچی کرنیوالے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

ولیمہ کا اسلامی معیار اور مروجہ تصور

شر الطعام طعام الولیمة یدعیٰ لھا الاغنیاء و یترک الفقراء الخ (صحیح البخاری:۳/۳۲)

ایسا ولیمہ بہت برا ہے جس میں دولتمندوں کو مدعو کیا گیا ہو مگر غرباء و ضرورتمندوں کو محروم رکھا گیا ہو۔

غرباء پروری و فقراء نوازی کا اتنا اہتمام کہ جس دعوت میں انہیں نظر انداز کیا گیا ہو اس دعوت ہی کو ناپسند قرار دیدیا جائے، کیا دنیا کے کسی مذہب وملت میں نظر آسکتا ہے؟ اس کے باوجود آپ ﷺ کی یہ تعلیم اس زمانے میں مسلمانوں کی بے التفاتی اور بے توجہی کی شکار ہوگئی، آج کیسے کیسے شاندار ولیمے ہوتے ہیں، انمیں کیسے کیسے ٹھاٹ باٹ کے لوگوں کی چلت پھرت آپ نے دیکھی ہوگی، مگر کہیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ جس طرح موٹر نشینوں اور سوٹ بوٹ میں ملبوس دعوتیوں کا استقبال ہوتا ہے اسی طرح کچھ غرباء وفقراء کی بھی اسی انداز سے یہ سمجھ کر عزت کی جارہی ہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سفارشی مہمان

ہیں؟ان کا اکرام واعزاز تو کیا ہوتا سیدھی نظر سے دیکھنا بھی ہماری شان کے خلاف ہے، بلکہ اب تو ان کی شرکت اپنی عزت کے خلاف سمجھی جاتی ہے، قریبی وخونی رشتہ دار بھی اگر بدقسمتی سے مفلسی ومحتاجی کا شکار ہے تو اس سے اپنی رشتہ داری بتلاتے ہوئے بھی ایک قسم کی عار محسوس کی جاتی ہے فیا للاسف!

یہ تو دعوتوں میں نبی کی سفارش کے باوجود غرباء کونظرانداز کرنے کی بات تھی، اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ ولیمے کی دعوتیں بے جا تکلفات اوراسراف وتبذیر میں مسابقت یعنی کامپٹیشن کا میدان بن گئی ہیں، کئی کئی اقسام کے کھانے اور نت نئے قسم کے انداز دن بہ دن بڑھتے جارہے ہیں، ماکولات (کھانے پینے کی چیزوں) کا ضیاع الگ ہورہاہے، دعوتوں میں بے پردگی وبے حیائی تو عام ہی تھی موسیقی، آرکسٹرا، محافلِ مشاعرہ ولطیفہ اوررقص وسرودوغیرہ مزید برآں ہوگئی ہیں۔

ہمیں ٹھنڈے دل سے سوچنے کی ضرورت ہے کہ نکاح ایک سنت ہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ طریق سنت پر ہوگا تو باعثِ برکت وموجبِ رحمت ہوگا اوراگرمن مانے طریقوں پر ہوگا تو لائقِ رسوائی وذلت ہوگا، اس کے باوجود ہم اپنا طرزِ عمل بھی دیکھ لیں کہ ایک سنت کے نام پر کتنے فرائض ترک ہورہے ہیں، کتنے احکام مٹ رہے ہیں ،نمازوں کی کیا گت بن رہی ہے، بے پردگی وبے حجابی کا کیا عالم رہتا ہے، لڑکیوں اور لڑکوں کا کیسا اختلاط ہوتا ہے، دل لگی، ودلبستگی کا ایک فلک شگاف شور برپا ہوجاتا ہے، اسراف وفضول خرچی انتہاء کو پہنچ جاتی ہے، ان حرکتوں سے سوائے اس کے کیا حاصل ہوتا ہے کہ ایک طرف ہم خداوند تعالیٰ کی خفگی وناراضگی کے شکار ہوجاتے ہیں تو دوسری جانب دیکھنے والے غیر مسلم اسلام سے مانوس ہونے کے بجائے اوردور ہوجاتے ہیں۔ تیسری جانب ان خرافات وروایات کوشادی کا لازمی جزو بنادینے کی وجہ سے غریبوں کے نکاح مشکل ہوتے چلے جارہے ہیں اورسماج بے حیائی وبدکاری کے داغ دھبوں سے رسوا ہوتا جارہاہے۔فالی اللہ المشتکی

بہتر ہے کہ نکاح مسجد میں ہو:

جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے رائج تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک شریفانہ طریقہ ——— پیغام رسانی کے ذریعہ رشتہ اور مہر طئے کرکے علی الاعلان شادی کرنے کا ——— باقی رکھا، بقیہ تین غلط اور شرمناک طریقوں کو ختم فرمادیا، اور چونکہ اسلام سے پہلے چوری چھپے طریقے زیادہ چلتے تھے اس لئے اسلام نے نکاح کو علانیہ طور پر کرنے کی ترغیب دی اور اسے پسندیدہ قرار دیا، اس کے طریقے بھی بتلائے، انہی میں ایک طریقہ نکاح کا مسجد میں منعقد کرنا ہے، اس سے اہلِ محلّہ میں خود بخود تشہیر ہو جاتی ہے، اور یہ اعلان کا آسان اور سستا طریقہ بھی ہے، نیز اس میں جگہ کی برکت اور منکرات سے حفاظت بھی ہے، ارشادِ نبوی ہے:

اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف .	نکاح کو علانیہ طریقے پر کیا کرو، ان کا انعقاد مسجد میں کرو، اور اعلان کے لیے دف بجایا کرو۔

(مشکوٰۃ۔ کتاب النکاح)

''دف'' اس زمانہ میں اہم کاموں کی خبر کا عام طریقہ تھا، بیانڈ باجا، آرکسٹرا وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اعلان وتنبیہ کا ذریعہ تھا، یہ رقص وسرود کا وسیلہ ہے جو کہ ناجائز ہے، اور اب دف کے ذریعہ اعلان کیا بھی نہیں جاتا، اس کی جگہ دعوت ناموں نے لے لی ہے۔

البتہ مسجد میں نکاح کرنے کے فوائد اب بھی قائم ہیں، بلکہ بہت سے منکرات وخرافات سے حفاظت کا سبب بھی ہے (بشرطیکہ ان سے بچنا چاہیں) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''مسجد میں انعقاد کی ترغیب یا تو اعلان کی سہولت کے لیے ہے، یا پھر جگہ کے

تقدس سے برکت حاصل کرنے کے واسطے ہے، بہتر ہے کہ وقت ــــــ یعنی شوال کا مہینہ، جمعہ کا دن، عصر کے بعد کا وقت ــــــ کی فضیلت کو بھی جگہ کی برکت کے ساتھ شامل کرلیا جائے تو پھر کیا کہنے؟ اس طرح یہ نکاح نورٌ علیٰ نور اور سرورٌ علیٰ سرور ہو جائے گا۔ نیز اس میں شرکاء کا اجتماع اور ثواب دونوں زیادہ ہو جائیں گے اور اعلان کی مصلحت بھی پوری ہو جائے گی۔" (مرقاۃ المفاتیح ۶/۲۸۵)

اس کے علاوہ تجربہ یہ ہے کہ مسجد میں مجلسِ نکاح منعقد کرنے سے بہت سے منکرات مثلاً تصویر کشی، ویڈیو گرافی، بے پردگی اور فضول گوئی وغیرہ سے حفاظت رہتی ہے، جس کی برکت سے ایک نئی زندگی کے آغاز اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا یہ معاہدہ خوب سے خوب تر اور بابرکت ہو جاتا ہے، مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ مسجد میں نکاح پر اکتفاء کر کے بقیہ رسوماتِ متعلقہ سے احتراز کیا جائے۔ جب کہ ایسا کم ہو رہا ہے، اکثر لوگ دیندار اعزہ واحباب کو خوش کرنے کیلئے محفلِ نکاح تو مسجد میں منعقد کر رہے ہیں اور بے دین وآزاد دوستوں کو راضی رکھنے کیلئے شادی خانوں میں پہونچ کر ان تمام خرافات کی تکمیل کر رہے ہیں جن سے بچنے کے لیے مسجد میں نکاح کیا گیا تھا، اسی طرح متمول طبقہ میں مسجد کا انتخاب بھی شادی خانوں کے انتخاب کی طرح عزت وحیثیت کا مسئلہ بن گیا ہے، قرب وجوار کی مسجدیں چھوڑ کر دور دراز کی شاندار اور بڑی مسجدوں کا انتخاب کیا جا رہا ہے، حالانکہ سب مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہونے میں برابر ہیں، بلکہ اس حکم کے مصلحت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ لڑکی کے محلّہ کی مسجد میں نکاح ہو، مگر بعض اس حکم کو دین کے بجائے فیشن کا رنگ دے رہے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یہ دوہری پالیسی اور منافقانہ چال کچھ اچھی نہیں ہے۔ بستی کی مسجد میں سادگی کے ساتھ نکاح کرلیا جائے اور بس! اسی سے صحیح معنوں میں اس تعلیم کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

غافلوں کا حال

یہی تجھ کو دُھن ہے رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی ، ہو فیشن نرالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا
تجھے حسنِ ظاہر نے دھوکہ میں ڈالا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَـا اَیُّھـاَ الَّـذِ یْـنَ اٰمَـنُـوْا لاَ تَـاْ کُلُوْا
اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ

۷

اے ایمان والو ! اپنے اموال آپس میں
باطل اور ناحق طریقے پر مت استعمال کرو۔

(سورۃ النسائآیت:۲۹)

جہیز اور جوڑے گھوڑے کی لعنت

بہت سے لوگ نکاح میں تاخیر کو اپنے تئیں معقول سمجھتے ہوئے یہ نامعقول عذر کرتے ہیں کہ ہمارے پاس مالی گنجائش اتنی نہیں ہے کہ جہیز کا انتظام کرسکیں یا دامادوں کے مطالبات پورے کرسکیں، کیونکہ مطالبات کی فہرست کی تکمیل ہمارے بس کی بات نہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کا مال ودولت کے حریص بھکاریوں اور حمیت وغیرت کے قاتلوں (یعنی لڑکے والوں) نے جھوٹی شان وشوکت کے متوالوں اور وقتی عزت وشہرت کے پُجاریوں (یعنی لڑکی والوں) کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ملتِ اسلامیہ کے غریب اور متوسط طبقہ کے اُوپر کس قدر آدم کش زہر چھڑ کا ہے۔

پہلے تو جہیز کا یہ مروجہ طریقہ ہی قابلِ نظر ہے کیونکہ اب معاشرہ کی نگاہ میں اس کی اہمیت ایک حقِ واجب سے بھی کہیں زیادہ ہے اور اسی کے انتظار میں لڑکیوں کی عمریں تباہ کی جارہی ہیں، اسلئے کہ جب تک خود ماں باپ خاندانی رواج کے مطابق جہیز کی تکمیل اور فہرست مطالبات کی تعمیل کے قابل نہیں ہوجاتے اس وقت تک لڑکیوں کے نکاح کے بارے میں سوچنا ان کے لئے نہ صرف مشکل بلکہ قابلِ ملامت جُرم ہے، جبکہ اس بے راہ روی وبے اعتدالی کا سبب زندگی کے خود ساختہ معیارِ عزت اور جاہلانہ مفاخرت کے علاوہ کچھ اور نہیں۔

جہیز کے مطالبات بدکاری کو بڑھاوا دے رہے ہیں

چنانچہ آج کے ظالم معاشرہ میں یہ آفت بھی عام ہوگئی ہے کہ نوجوان لڑکوں یا ان کے نام پر ان کے سرپرستوں نے لڑکی والوں سے ناجائز وناروا مطالبات کا ایک طویل سلسلہ شروع کر کے مردوں کی آبرو خاک میں ملادی ہے۔

مولانا انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''لڑکوں کی جانب سے جہیز ــــــ وہی جہیز جس کے جواز کی حیثیت صفحات

گذشتہ میں تفصیل سے سامنے آچکی ہے ـــــ میں گرانقدر اشیاء کا لڑکی والوں سے مطالبہ ہونے لگا، ریڈیو، ٹی وی، اسکوٹر، کار، بیش قیمت گھڑیاں صوفہ سَٹ، اورنت نئے فرنیچر، بلکہ معتد بہ رقم اپنی تعلیم کو باقی رکھنے کے لئے یا کاروبار کی خاطر لڑکی کے والدین سے طلب کی جانے لگی اوراس طرح مردانہ غیرت وحمیت کوکچل کر رکھ دیا گیا۔

قرآن حکیم نے صاف الفاظ میں انفاق یعنی اخراجات کی تمام تر ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے، لیکن اس ظالم مرد نے اسے فراموش کرتے ہوئے الٹا لڑکیوں ہی سے اپنے اوپر خرچ کرانا شروع کردیا ہے، جسکے نتیجہ میں ایک شریف لڑکی کو اپنے ہونے والے شوہر کی تعلیم جاری رکھنے کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے خود بے پردہ ہوکر ملازمت کرنی پڑتی ہے، یا اسکے باپ کو زیر بار ہوکر اس مطالبہ کا انتظام کرنا پڑتا ہے، ذرا سوچئے کہ یہ مطالبات کیا اسلام کی تعلیمات کے موافق ہیں؟ اسلام کو جانے دیجئے، خود انسانیت میں اس بربریت کے لئے کوئی گنجائش ہے؟

اتنی بات سبھی جانتے ہیں کہ اسلام نے کسی ایسے شخص کو جو لاچار و بے بس نہو، بھیک مانگنا جائز نہیں رکھا بلکہ اس پر سخت وعیدیں سنائی ہیں، اسی لئے فقہاء کرام نے اسے کبیرہ گناہوں میں شامل فرمایا ہے، اسلام امیروں وغریبوں سب کے لئے یکساں طور پر آیا ہے، یہ بات نہیں ہے کہ صحت مند غرباء مانگیں تو ناجائز اور موٹر نشین، گدی نشین لوگ اگر حسین پیرایہ میں لڑکی کے والدین سے جوڑے کی رقم اور جہیز کا مطالبہ کریں تو وہ بھیک نہیں بلکہ جائز وحلال تحفہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی نادار وغریب کو بعض حالات میں سوال کرنے کی پھر بھی کچھ گنجائش ہوسکتی ہے مگر متمول وخود کفیل شخص کو سوال کرنا کسی قیمت پر جائز نہیں۔ (نقش دوام)

بالخصوص شادی کے موقعہ پر مرد کی جانب سے عورت کے گھر والوں سے سامان یا نقد رقم کا کسی طرح کا کوئی مطالبہ نہ صرف یہ کہ اسلام کے اصولِ معاشرہ کے خلاف ہے بلکہ ننگِ مردانیت اقدام ہے، اسلام نے نفقات کی تمام تر ذمہ داری مردوں پر عائد کی

ہے، اور انھیں عورتوں پر قوام وحاکم بنا کر ایک خصوصی فضیلت کا تاج انکے سر پر رکھا ہے، اور اس فضیلت اور حاکمیت کی بناء پر اسکو ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں کی دیکھ بھال اور حوائج کی تکمیل کی کوشش کرتا رہے، چہ جائے کہ ان عورتوں کے اموال پر نظر رکھے، نہ صرف نظر رکھے بلکہ بے حیا بن کر اپنی مردانگی کے وقار کو خاک میں ملا کر جسکو اپنا ماتحت اور بیوی بنا کر لانے جا رہا ہے اسی کی چوکھٹ پر لمبے چوڑے مطالبات کا کاسۂ گدائی لئے کھڑا ہو جائے، افسوس ہے اس مردانگی پر! تف ہے اس جوانی پر!

آئے دن ایسے واقعات اخباروں میں پڑھنے میں آتے رہتے ہیں جن میں معصوم بچیوں نے خودکشی کر کے اپنے والدین کو اپنے حقوق کی ادائیگی کی فکر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات دلادی، مگر شاباش! ہندوستانی مسلمان کو ان واقعات کا بھیانک پن بھی رسم ورواج کی قید سے نکالنے کیلئے موثر نہ ہوسکا۔ حیدرآباد کی ایک مشہور شخصیت نظام الدین مغربی مرحوم لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانہ کے لوگ غور کریں کہ عرب کے عہد جاہلیت میں بھی ایسے لوگ موجود تھے (جو پوری ذمہ داری کے ساتھ غریب ونادار لڑکیوں کی شادی بیاہ کا نظم اپنی طرف سے کر دیا کرتے تھے) اور آج کے دور کے بظاہر دیندار ومتشرع، پنجوقتہ نمازی وبار بار کے حاجی لوگ بھی اپنی بیٹیوں کی شادی کے وقت لڑکی والوں سے چوتھی ڈنر، جوڑے کی رقم، شادی خانوں کی سجاوٹیں، اور روشنیاں، مہاراجہ فرنیچر خوبصورت سے خوبصورت ڈنر سٹ طلب کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کی لڑکیوں کو زندہ در گور کر رہے ہیں۔ قیامت کے دن یہ لڑکیاں ایسے لوگوں کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مرافعہ کریں گی کہ ہم کو کس جُرم میں اس ترکیب سے قتل کیا گیا؟ یا سسک سسک کر مر جانے پر مجبور کیا گیا؟ یا موت وحیات کے درمیان لٹکا دیا گیا تھا؟ وہ کہیں گی کہ یہ لوگ اپنی دولت کا لالچ دے کر دوسرے کا خون چوستے تھے، اپنے مال کی نمائش کر کے دوسرے غریب کی قبر کھودتے تھے، اپنی بیٹی یا بہن کی شادی پر بے دریغ خرچ کر کے دوسرے کی مفلس بیٹی

کی شادی انجام نہ پانے کا ذریعہ بنتے تھے۔" (سیرت سعید بن زیدؓ)

جہیز، جوڑے اور دعوتوں کے مطالبات سوال ہیں اور سوال ہٹے کٹے کیلئے حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ان المسئلة لا تحل الا لاحد ثلاثة رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة فسال حتى يصيبها ثم يمسكها ، ورجل اصابته جائحة فاحتاجت ماله فحلت له المسئلة فسأله حتى يصيب قواما من عيش ورجل اصابته فاقة حتى يقول ثلاثة من ذوى الحجى من قومه قد اصابت فلانا الفاقة فحلت له المسألة فليسأل حتى يصيب قواما من عيش ثم يمسك وما سواهن من المسئلة ياقبيصة سحت يأكلها صاحبها سُحتا (ابوداؤد ۲/ ۱۲۱)

سوال کرنا ان تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی کیلئے حلال نہیں ہے (۱) جس پر کوئی تاوان لگ گیا ہو اور وہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ بقدر ضرورت سوال کرسکتا ہے (۲) جس پر کوئی ناگہانی آفت آ گئی ہو جس کی وجہ سے وہ محتاج ہوگیا ہو تو وہ بھی بقدرِ ضرورت سوال کرسکتا ہے (۳) جو فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گیا ہو، یہاں تک کہ بستی کے تین معتبر آدمی اس کی گواہی دے سکیں تو وہ بھی بقدرِ ضرورت سوال کرسکتا ہے اور ضرورت نکل جانے کے بعد یہ لوگ بھی سوال نہیں کر سکتے، اگر کوئی ان حاجتوں اور حالتوں کے بغیر بھی محض مال بڑھانے کیلئے سوال کرے گا وہ حرام خور کہلائے گا۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بلا واقعی کسی محتاجی کے محض حرص وہوس کی وجہ سے کسی سے

کچھ مانگنا اسلام کی نظر میں کتنی بری بات ہے۔ اور کیا لڑکی والوں سے جہیز، جوڑے، اور دعوتیں طلب کرنے والے اس درجہ کے محتاج ہوتے ہیں جس کا ذکر ارشادِ نبویؐ میں اوپر آیا ہے؟ اسی پر بس! نہیں اللہ کے نبی ﷺ نے بلاضرورتِ شرعی کے سوال کرنے اور مدد مانگنے والے کے بارے میں مزید ارشاد فرمایا ہے کہ

۱۔ اس کا چہرہ قیامت کے دن بدل جائیگا ۲۔ اسکی تنگی اور بڑھ جائیگی ۳۔ جو کچھ مال حاصل کریگا وہ آگ کا انگارہ بن جائیگا ۴۔ اس کی وجہ سے محتاجگی میں اضافہ ہوتا چلا جائیگا ۵۔ وہ مانگا ہوا مال چہرہ نوچنے کی کنگھی ہے ۶۔ اسکی ذلت سے مزدوری کی تکلیف بہتر ہے وغیرہ

پس! ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان وعیدوں اور دنیا و آخرت کی ذلتوں سے بچنے کی خاطر ہر حال میں سوال سے بچے، بالخصوص شادی بیاہ کے موقعہ پر تو اس سے اور بھی زیادہ احتیاط کرے، کیونکہ اس موقعہ کا سوال تو پورے سماج کی ہلاکت و بربادی ہے صرف ذاتی ذلت ورسوائی نہیں۔

یاد رہے کہ دعوتوں کے سلسلہ میں بھی دو باتیں اور قابلِ اصلاح اور داخل سوال ہیں، ایک تو یہ کہ اپنے آدمیوں کی تعداد اپنی طرف سے دوسرے فریق پر مسلط کرنا۔ مثلاً یہ کہ ہمارے ۲۰۰ ر آدمی آئیں گے، اسلئے کہ ممکن ہے کہ اسکی گنجائش اتنے آدمیوں کی نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ دوسرے پر ظلم ہے، اس سلسلہ میں بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے، اور اصرار تک کیا جاتا ہے کہ ہمارا خاندان بڑا ہے، ایسا ہے، ویسا ہے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور سوال ہی کی ذلت میں داخل ہے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو اختیار دیدیا جائے کہ آپ جتنے لوگوں کیلئے بخوشی کہیں گے ہم اتنے ہی افراد بخوشی شریک ہوں گے، اور ایسا ہی کریں، پھر نہ طعنہ دیں اور نہ شکایت کرتے پھریں۔

دوسرے معیارِ ضیافت میں دخل دینا اور اپنے "مینو" کا مطالبہ کرنا، ظاہر ہے کہ یہ

بھی زبردستی کی بات ہے اور حلال کو اپنے لئے حرام کر لینا ہے، کیونکہ مسلمان کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

لا یحل مال امرأ مؤمن الا بطیب نفس منه	مومن کا مال اسکے دل کی خوشی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

(سنن بیہقی ۶/۱۶۶)

اس لئے صحیح طریقہ کار اس میں بھی یہی ہے کہ داعی پوچھے بھی تو یہی کہہ دیا جائے کہ آپ بسہولت اور بخوشی جو کھلا دیں ہم اس سے راضی اور خوش ہیں۔

اللّٰھم وفقنا لما یحب و یرضیٰ

علاجِ جذبات

طبیعت کی رَو زور پر ہے تو رُک
ورنہ یہ سر سے گذر جائے گی
ہٹا لے خیال ذرا دیر کو اس سے
چڑھی ہے ندی، اُتر جائے گی

مجذوب رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

۸

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کیجئے!

(سورۃ الانعام آیت:۹۰)

سادگی کے ساتھ نکاح کی چند مثالیں

نبی کریم ﷺ اور ان کے خاص اصحاب کے درمیان حضرت فاطمہؓ کے نکاح کیلئے حضرت علیؓ کے موزوں و مناسب ہونے کی باتیں چل رہی تھیں، اسی اثناء میں بعض انصاری صحابہ کرامؓ نے حضرت علیؓ کو از خود پیغام دینے کا مشورہ دیا، انہوں نے نہایت ہی حیاو انکساری سے بطور منگنی کے آپ کی خدمت میں اپنی درخواست پیش کی، آنحضرت ﷺ نے اسکو قبول فرمالیا اور ان سے پوچھا کہ مہر کیلئے تمہارے پاس کچھ ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا اس وقت تو کچھ نہیں ہے، آپ ﷺ نے اپنی عطا کردہ ایک زرہ یاد دلائی، یا انہوں نے خود عرض کیا کہ ایک سواری اور ایک زرہ —— جو جنگی و سفری ضرورت کی اشیاء تھیں —— کے علاوہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آپ ﷺ نے اس زرہ کو فروخت کر کے رقم بنالینے کی ہدایت دی، آپ ﷺ کی ہدایت پر انہوں نے اسکو چار سو درہم میں بیچ دیا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اپنی صاحبزادی کے نکاح کی تیاری کرنے کا حکم دیا، ان دونوں نے ملکر ایک حجرہ میں ریتی بچھا کر اور مٹی سے لیپ کر صاف کیا، کھجور کی چھال سے دو گدے تیار کئے، حجرہ کے کونے میں مشکیزہ اور کپڑے وغیرہ لٹکانے کیلئے ایک لکڑی گاڑھ دی، آنحضرت ﷺ نے بیٹی داماد کیلئے ضروریاتِ زندگی میں تعاون کرتے ہوئے ایک بڑی چادر ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور یا گھاس بھری ہوئی تھی، ایک آٹا پیسنے کی چکی، ایک مشکیزہ اور دو گھڑوں کا انتظام فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے چند خاص صحابہؓ کو جمع کر کے چار مثقال چاندی کے مہر پر اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کا نکاح حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے فرمادیا، بعد میں آپ نے حضرت ام ایمنؓ کے ہمراہ اپنی صاحبزادیؓ کو حضرت علیؓ کے اس مکان میں بھیج دیا، پھر خود تشریف لیجا کر دونوں کو برکت کی دعا دی، سیرت

نگاروں کے مطابق نکاح تو رمضان المبارک میں کر دیا گیا اور رخصتی دو ماہ بعد ذی الحجہ کے مہینے میں ہوئی، اس وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ یا اٹھارہ سال اور حضرت علیؓ کی اکیس سال تھی، واللہ اعلم۔ (بناتِ اربعہ ص:۲۵۹ تا ۲۶۳)

یہ شہنشاہِ دوجہاں سرورِ دوعالم ﷺ کی صاحبزادی، تمام جنتی خواتین کی سیدہ وسردار کا نکاح ہے جن کے والد گرامی نبیوں کے امام اور خیر الانام جو اگر چاہتے تو اُحد پہاڑ سونا بن سکتا اور دنیا بھر کی ارمانیں اپنی چہیتی اور لاڈلی بیٹی کی شادی میں نکال سکتے تھے، لیکن وہ دنیائے انسانیت کا اُسوۂ حسنہ اور زندگی کا بہترین نمونہ بنکر تشریف لائے تھے، بلاشبہ اس نکاح کے ذریعہ آپؐ قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے شادی بیاہ کا سب سے معیاری اور نہایت نورانی نمونہ چھوڑ کر تشریف لے گئے، دنیا کو اگر "اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ" کی خبر دیکر نکاحوں میں سادگی کا پابند فرمایا تو سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کے خود عمل کر کے دکھا دیا۔

یارب صل وسلم دائما ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

نبی کریم ﷺ کے ایک خادم تھے حضرت ربیعہ اسلمیؓ، وہ اپنے نکاح کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: ربیعہ! تم نکاح نہیں کروگے؟ میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! اس لئے کہ اولاً تو میرا مالی موقف ایسا نہیں ہے کہ بیوی کے حقوق ادا کرسکوں، دوسرے میں خود ایسی مصروفیت سے بچنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں خلل پڑ جائے، یہ جواب سن کر آپؐ چند دن خاموش رہے، پھر کسی وقت یہی سوال وجواب ہوا، پھر جب تیسری مرتبہ آپؐ نے یہی سوال فرمایا تو میں نے عرض کیا: آپؐ کا جو منشاء ہو حکم فرمائیں میں اس کی تعمیل کیلئے تیار ہوں، اس پر آپؐ نے مجھے ایک انصاری خاندان کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیا کہ "ان لوگوں سے کہو کہ میں

نے ان کی لڑکی سے تمہارا نکاح کر دینے کو کہا ہے‘‘ میں نے ان کے گھر پہونچ کر آپ ؐ کا یہ پیغام پہونچا دیا، وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے استقبال کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ کیلئے بھی خوش آمدید ہے رسول اللہ کے قاصد کیلئے بھی خوش آمدید ہے، بخدا! رسول اللہ کے فرستادہ کو ضرورت پوری کئے بغیر واپس نہیں کیا جائیگا، چنانچہ انہوں نے اسی وقت میرا نکاح اپنی لڑکی کے ساتھ کر دیا، اور مجھ سے بڑی محبت وخلوص کا معاملہ کیا، تحقیق تک نہیں کی کہ کیا واقعی رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، یہاں سے میں بہت ہی غمگین وحزین کیفیت کے ساتھ واپس ہوا، میرا حال دیکھ کر آپ ؐ نے پوچھا: کیا ہو گیا تمہیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے آپ نے بہت ہی معزز و محترم خاندان کے پاس روانہ فرمایا، ان لوگوں نے میری بڑی عزت افزائی کی، بیٹی کو میرے نکاح میں دیا، میرے ساتھ انتہائی محبت کا سلوک کیا، اور میرے قول کی تحقیق تک نہ کی، میرا حال یہ ہے کہ میرے پاس تو مہر دینے کیلئے بھی کچھ نہیں ہے، آپ نے حاضرین سے فرمایا: ربیعہ کیلئے کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کا انتظام کر دو، چنانچہ اس کا انتظام کر دیا گیا، میں وہ لیکر آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: یہ سونا لیکر سسرال چلے جاؤ اور ان سے کہدو کہ یہ میری بیوی کا مہر ہے، میں وہ حقیر سی مقدار سونے کی لیکر ان کے ہاں پہونچا، اور انہیں حوالے کرتے ہوئے کہدیا کہ یہ مہر ہے، ان لوگوں نے بڑی خوشدلی سے قبول کرتے ہوئے کہا: ماشاء اللہ مبارک مال ہے اور بہت ہے، پھر میں آپ ؐ کی خدمت میں غمگین وحزین لوٹ آیا، آپ نے پھر پوچھا: اب کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے ایسے بااخلاق اور شریف لوگ کہیں نہیں دیکھے، اس حقیر سے مہر کو بڑی خوشدلی سے قبول کیا اور اسے مبارک وکثیر مال قرار دیا، مگر میرے پاس تو ولیمہ کرنے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے، آپ ﷺ نے میرے قبیلہ والوں کو حکم فرمایا: ارے بھئی! ربیعہ کیلئے ایک بکری کا بندوبست تو کردو، چنانچہ لوگوں نے میرے لئے ایک

زبردست تروتازہ بکری فراہم کردی، پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عائشہؓ کے پاس جاؤ، اوران سے کہو کہ جَو کا ٹوکرا بھیج دیں، میں نے حضرت عائشہؓ کے پاس جا کر عرض کر دیا، انہوں نے فرمایا: یہ ٹوکرا رکھا ہے اس میں سات سیر جَو ہے لیجاؤ، مگر خدا کی قسم ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، میں وہ لیکر آپ کی خدمت میں پہونچا دیا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ جَو اور یہ بکری لیجا کر تمہارے سسرال میں پہونچا دو اور ان سے کہدو کہ صبح روٹیاں بنادی جائیں اور سالن تیار کر دیا جائے، میں یہ سب لیکر چلا میرے ساتھ میرے قبیلہ کے کچھ اور لوگ بھی چلے، جب وہاں پہونچکر میں نے سامان ان کے حوالہ کیا تو ان لوگوں نے ہم لوگوں سے کہا: روٹیاں ہم تیار کر دیں گے سالن تم لوگ تیار کر دو، چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر میں نے اُن روٹیوں اور گوشت سے اپنا ولیمہ کیا، اس میں اللہ کے نبی ﷺ کو بھی مدعو کر لیا۔ (مجمع الزوائد۴/ ۷۱ تا ۷۷)

حضرت سعید ابن المسیبؒ جلیل القدر تابعی ہیں ان کی جلالتِ شان کیلئے یہی کیا کم ہے کہ ان کے والد اور دادا دونوں صحابیٔ رسول ﷺ ہیں، اور علم وفضل کے کمال کیلئے یہ کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ بھی ان کے فتووں پر اعتماد کرتے تھے، ان کی ایک صاحبزادی بڑی اللہ والی اور صاحبِ علم وفضل تھیں، ساتھ ہی نہایت حسین وجمیل بھی تھیں، وقت کے حکمراں عبد الملک بن مروان نے اس لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہا، حضرت نے پسند نہیں فرمایا، اس نے بہت آمادہ کیا، دباؤ ڈالا ہر طرح کوشش کر لی لیکن وہ یہ کہہ کر انکار فرماتے رہے کہ میری بچی عالمہ صالحہ ہے خلیفہ کے گھر کا ماحول اس کے قابل نہیں ہے، شہزادہ کا رشتہ تو اتنی سختی سے رد کر دیا مگر بیٹی کے لئے انتخاب کس کا کیا؟ یہی عبرت اور سبق حاصل کرنے کا پہلو ہے، اس کے چند ہی دنوں بعد ایک شاگرد جو پابندی سے درس میں شریک رہا کرتے تھے، دو تین دن غیر حاضری کے بعد آپ کو نظر آئے، وجہ دریافت کی تو انہوں

نے کہا میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، اسلئے حاضر نہیں ہو سکا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم کیا کہ کیا دوسری بیوی کا تم نے انتظام کرلیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں چار کوڑی کی حیثیت کا آدمی ہوں مجھے کون بیٹی دے گا؟ فرمایا میں دونگا! کیا تم تیار ہو؟ انہوں نے عرض کیا بہت خوب! آپ نے اسی وقت دو یا تین درہم پر ان سے اپنی بیٹی کا نکاح پڑھا دیا۔ شام کو گھر تشریف لے گئے اور بیٹی کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا اور خود بھی دو رکعتیں ادا فرمائیں، اور انہیں لیکر اس شاگرد کے گھر پہونچے، دروازہ کھٹکھٹایا، جب شاگرد نے دروازہ کھولا تو فرمایا: میں نے سوچا کہ جب تمہاری بیوی موجود ہے تو تم رات تنہا کیوں بسر کرو اسلئے بچی کو لیکر آیا ہوں، یہ فرما کر بچی کو دروازہ میں داخل کر کے کواڑ بھیڑ دیئے اور روانہ ہو گئے، ان کی صاحبزادی مارے شرم کی گر پڑیں، اس شاگرد نے اپنی چھت پر چڑھ کر شادی کا اعلان کیا، پھر انہی کی والدہ نے اس لڑکی کو سنوار کر دلہن بنایا، ان کا بیان ہے کہ حضرت کی یہ صاحبزادی جن کا نکاح اس قدر سہولت وسادگی کے ساتھ شہزادے کے پیغام کو رد کر کے ایک غریب طالبعلم کے ساتھ کر دیا گیا تھا، کوئی معمولی عورت نہیں تھیں، وہ نہایت حسین وجمیل، کتاب اللہ کی حافظ، سنتِ رسول کی عالم اور شوہر کے حقوق کی انتہائی واقف کار تھیں۔ (تابعینؒ ص:۱۷۴)

چوتھا واقعہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کا ہے کہ انہوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ اپنی دو بیٹیوں کا نکاح کس سادگی کیساتھ فرمادیا تھا، اس کا تذکرہ اپنی آپ بیتی میں حضرت شیخ نے خود فرمایا ہے، اسی میں سے مختصراً درج ذیل کیا جاتا ہے۔

چچا جان نور اللہ مرقدہ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے حسب معمول اس سال بھی مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ

ہمارے میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا ہے، کل جلسے میں حضرت مدنیؒ سے یوسف وانعام کا نکاح پڑھوادوں؟ میں نے کہا، ضرور پڑھوادیجئے، مجھ سے کیا پوچھنا ہے، عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈالدیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے کہ کل کے جلسہ میں دونوں بچیوں کا نکاح پڑھوادیں، میری اہلیہ نے کہا: آپ چند دن قبل کہتے تو میں کم از کم کپڑوں کا ایک ایک جوڑا تو ان بچیوں کو سلوادیتی! میں نے جواب دیا: اچھا! مجھے خبر نہیں تھی کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں، اس جواب پر وہ بالکل خاموش ہوگئیں، جامع مسجد جاتے ہوئے میں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کردیا کہ یوسف وانعام کا نکاح پڑھانے کیلئے چچا جان فرمارہے ہیں، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا ضرور پڑھاؤں گا، مہر ڈھائی ہزار روپے طئے ہوا، حضرت نے بیان شروع فرمایا اور اس میں انگریزوں کا ذکر نکل آیا، تقریر بہت لمبی ہوتی چلی گئی، میں نے درمیان میں ایک چٹھی دیکر یاددہانی کروائی، تو بیان روک کر کچھ خفگی ظاہر فرمائی پھر خطبہ پڑھ کر ایجاب وقبول کروادیا، چونکہ یوسف وانعام دونوں مدرسہ ہی میں پڑھ رہے تھے، اسلئے چند دنوں بعد میرے گھر ہی میں ان کی رخصتی کروادی گئی، اور سال کے اختتام پر چچا جان نوراللہ مرقدہ بچوں اور بہوؤں کو اپنے ساتھ نظام الدین لے کر چلے گئے۔ (آپ بیتی ۳/۲۸۴)

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحبؒ قریب زمانہ میں ایک خدارسیدہ بزرگ ترین شخصیت گذرے ہیں، خواص تو سب جانتے ہیں، عوام بھی بہت سے واقف ہیں، حضرتؒ کی ہستی اس دور میں خیرالقرون والوں کی یادگار اور چلتی پھرتی تصویر تھی۔ اپنے بڑے صاحبزادہ حضرت مولانا حبیب بھائی صاحب دامت برکاتہم ——— جو اب ان کے جانشین بھی ہیں ——— کا نکاح اپنے ہر کام کی طرح انتہائی سادگی کے ساتھ فرمایا،

ہتھوراسے قریب ہی میں رشتہ ہونے کے باوجود بھی مدرسہ کے اساتذہ کرام کوتک طلبہ کی تعلیم میں نقصان کے مدنظر شرکت سے منع فرمادیا تھا، حضرت مولانا محمد زکریا سنبھلی مدظلہٗ العالی ـــــ جوان کے بہت ہی چہیتے اور محبوب تھے ـــــ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ مجھے تو لڑکی والوں کی طرف سے دعوت ہے میں تو محفلِ عقد میں شریک ہوں گا، حضرت نے فرمایا: ٹھیک ہے آپ شریک ہوتے ہیں تو پھر میری ضرورت نہیں، میں مدرسہ میں رہتا ہوں آپ جایئے، ایسی باتیں حضرت تکلف یا خفگی میں نہیں کہتے تھے، پوری سنجیدگی سے عمل بھی فرمالیتے تھے، خیر! محفل عقد تو انتہائی سادگی وسہولت سے موافق سنت انجام پائی، ولیمے کی صورت یہ ہوئی کہ اگلے دن دوپہر کے وقفہ میں حضرتؒ نے اساتذہ کرام کو اپنا اپنا کھانا لیکر ایک حجرہ میں آجانے کے لئے فرمایا، جب سب حاضر ہوگئے تو حضرت بھی تشریف فرما ہوئے، اور گھر سے ایک برتن میں بگھارے ہوئے چاول اور ایک میں آلو کا سالن آیا اس کو بھی دسترخوان پر نکلواتے ہوئے حضرت نے اعلان فرمایا: یہ حبیب میاں کا ولیمہ ہے۔ سبحان اللہ! کس باپ کے دل میں اپنے بچوں کی بلکہ گھر کی پہلی شادی تمناؤں کے مطابق کرنے کی خواہش نہیں ہوتی؟ مگر قربان جایئے ہمارے اکابر کے ایثار وقربانی کے کہ وہ اللہ ورسولؐ کی خوشی حاصل کرنے کیلئے ہر تمنا کا خون اور خوشی کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوجاتے تھے۔

(حضرت مولانا زکریا سنبھلی دامت برکاتہم کی بہ روایت)

❁

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ کا اتباع سنت اور احترامِ شریعت تو زبان زد خاص وعام ہے، اوران کے دیکھنے ملنے اور استفادہ کرنیوالے بڑی تعداد میں اب بھی موجود ہیں، حضرتؒ نے اپنی اکلوتی صاحبزادی کے نکاح پر اسقدر اہتمام سنت فرمایا کہ بعض چیزیں جو ایسے مواقع پر معمول بہا ہیں اوران کے کرنے میں بظاہر کچھ

حرج بھی نہیں معلوم ہوتا مگر آپ نے مسنون نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت بھی نہ دی، ہر کام کو سنت کے مطابق کرنے کا انتہائی اہتمام کرتے، ضرورت پڑنے پر اسی وقت کتابوں سے مراجعت اور تحقیق کر کے اجازت دیتے یا منع فرماتے، محفلِ نکاح میں چھواروں کی تقسیم مسنون ہے، اسمیں عام طور سے بادام وغیرہ کا اضافہ بھی مروج ہے، مگر حضرت والا نے تاکید کر کے صرف چھواروں پر اکتفاء کروایا، کھانے کا انتظام صرف ان چند مہمانوں کیلئے کروایا جو لڑکے کے ساتھ پہونچے تھے، اور پہلے سے طئے شدہ تھے، ان دسترخوان پر ملاقات کیلئے آنے والے بیسیوں مہمان ہمیشہ ہی رہتے تھے، مگر اس دن ان کو بھی شریکِ دعوت نہیں فرمایا، تاکہ دیکھنے والوں کو دعوتِ نکاح کا اشتباہ نہ ہو، غرض جس قدر کم خرچ اور آسان اور سادہ ہو سکتا تھا اس کیلئے بھرپور کوشش فرمائی اور کامل اتباعِ سنت کا مقام حاصل فرمایا۔

اسی طرح حضرتؒ نے خود سنایا تھا کہ ان کی جوانی میں جب ان کی بھانجی کا نکاح ہونے والا تھا تو انہوں نے بہن کو راضی کر کے سب کام سنت کے مطابق انجام دلائے، اس موقعہ پر انہوں نے اپنے استاد حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کو ایک خط لکھا کہ یہ نکاح سنت کے اہتمام کے ساتھ انجام پا رہا ہے، حضرت والا تشریف لا کر نکاح پڑھا دیں تو مجھے خوشی ہوگی، حضرتؒ نے فرمایا کہ اس کے جواب میں حضرت گنگوہیؒ نے یہ لکھا " اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دور سے کسی کو بلا کر نکاح پڑھوانا بھی سنت ہے تو میں آجاؤں گا"۔ میں سمجھ گیا کہ جب میں ہر کام میں سنت کی بات کر رہا ہوں تو واقعی یہ تکلف اور اس قدر اہتمام بھی خلافِ سنت ہی ہے، چنانچہ میں نے خود پڑھا لیا۔ ماشاء اللہ! کیسا عشقِ رسولؐ اور کیسی فنائیت ہے کہ استاد ارشاد و ہدایت میں کسی رو رعایت کیلئے تیار نہیں تو شاگرد بھی اتباع وایثار میں سمجھوتہ کیلئے رضا مند نہیں، دونوں اللہ کے چاہنے اور نبی کے ماننے والے، درحقیقت اسی کو دین کی قدردانی کہتے ہیں، اللہ پاک ہمیں بھی اس قدردانی کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین

ان واقعات کو نقل کرتے وقت اس راقم عاجز کو اپنا نکاح بھی یاد آ گیا، جس میں میرا تو کوئی کمال نہیں والد ماجدؒ کی عزیمت قابلِ تحسین وتقلید ہے، تحدیثِ نعمت کے طور پر اسے بھی نقل کئے دیتا ہوں، والد ماجدؒ نے میرا نکاح حیدر آباد سے بہت دور قصبہ کاغذ نگر میں وہاں کے ایک عالمِ دین حضرت مولانا نظام الدینؒ کی ایماء واشارہ پر ”سر پور پیپر مل“ میں لیبر کی حیثیت سے ملازم ایک سادہ مزاج مگر نیکوکار شخصیت محترم جناب عبدالحلیم محمد الیاس صاحب کی بڑی صاحبزادی سے طئے فرمادیا، مقررہ تاریخ پر تین مرد اور تین عورتیں بذریعہ ریل وہاں پہونچے، اور نہایت سادگی کے ساتھ مولانا موصوف ہی کی مسجد میں مولانا نے ہی نکاح پڑھا دیا، واپسی کے بعد اگلے روز بعد نماز فجر والد ماجدؒ نے مسجد میں اعلانِ ولیمہ فرما کر مصلیانِ مسجد ودیگر حاضرین کو ایک ایک پیالی چائے اور دو دو بسکٹ کھلا کر تکمیلِ سنت فرمادی، جہیز ایک عدد مسہری ضروری بستر اور چند برتنوں کی شکل میں آیا وہ بھی نکاح کے کئی دنوں کے بعد! **والحمد للّٰہ الذی بنعمته تتم الصالحات**

یہ چند واقعات جو فوری طور ذہن میں آگئے یہاں بطور نمونہ کے نقل کر دیئے گئے ہیں، ہمارے اکابر کے حالات میں ایسے بے شمار واقعات مل جائیں گے، آج کل بھی اہل اللہ کی صحبتوں کی برکت اور دعوت وتبلیغ کی محنت سے بہت سے نوجوان ہمت کر کے اس کی مثالیں قائم کر رہے ہیں، لیکن سخت افسوس اور شرم سے ڈوب مرنے کی بات ہے کہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں کے بڑے انہیں آگے بڑھنے نہیں دیتے، اور باوجود سمجھانے کے بھی تمام رسومات پورے کرنے بلکہ لڑکی والوں سے مطالبات کرنے پر مُصر رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لاَ يَجِدُوْنَ نِكَاحاً
حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

۹

اور جو لوگ نکاح کرنیکی قدرت نہیں رکھتے
انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے
استطاعت ہونے تک اپنے کو گناہوں سے
محفوظ رکھتے رہیں۔

(سورۃ النور آیت:۳۳)

جو لوگ نکاح نہیں کر سکتے وہ احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔

پچھلے صفحات میں شہواتِ نفسانیہ کو پورا کرنے کے لئے شرعی نکاح کے علاوہ دیگر طریقوں کی جو مذمتیں بیان کی گئی ہیں، وہ ان کی برائی کو سمجھنے کے واسطے بہت کافی ہیں، اور انہیں پڑھ کر ایک شریف الطبع نوجوان کے دل میں ان بُرے کاموں سے نفرت اور نکاح کی رغبت ضرور پیدا ہو جاتی ہے، لیکن بہت سے نوجوان (لڑکے یا لڑکیاں) ایسے بھی ہوں گے جو کسی وجہ سے نکاح کرنے پر قدرت نہیں رکھتے یا کسی وجہ سے ان کے نکاح میں تاخیر ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صور میں یہ لوگ پاکدامنی کی حفاظت کیلئے کیا تدابیر اختیار کریں؟ اور کیسے اپنے نفس کو حرام لذتیں درآمد کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے سے بچائیں؟ کتاب وسنت اور تعلیماتِ سلف میں الحمدللہ تعالیٰ اس سوال کا جواب اور عفت وعصمت قائم رکھنے کے آسان طریقے موجود ہیں، ارشادِ ربانی ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (سورۂ نور آیت:۳۳)

اور جو شخص نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسبابِ نکاح مہیا ہونے تک صبر و پاکدامنی کا مظاہرہ کرتا رہے۔

امام قرطبیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ شریفہ کے ذریعہ اس شخص کو جو نکاح کرنے پر قدرت نہیں رکھتا —— خواہ وہ کسی بھی وجہ سے ہو —— یہ حکم دیا ہے کہ وہ صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرتا رہے، پھر چونکہ عام طور سے نکاح میں معاشی تنگدستی اور مالی قلت ہی رکاوٹ بنتی ہے اسلئے ایسے شخص کو محض اپنے فضل سے اطمینان دلایا اور وعدہ فرمایا کہ یہ تنگدستی بھی اپنے وقت پر دور فرمادے گا، خواہ وسائلِ ازدواج فراہم کر کے، خواہ ایسی عورت کیساتھ نکاح کے ذریعہ جو تھوڑے مہر اور جز معاشی پر راضی ہو جائے یا پھر قوتِ شہوانیت پر قابو عطا کر کے۔ (الجامع لاحکام القرآن:۱۲/۱۸۵)

بہر حال ایسے مجبور شخص کو ''ومن یستعفف یعفه الله'' یعنی جو پاکدامن رہنا چاہے اللہ اسکو پاکدامن رکھتا ہے۔ (سنن بیہقی ۴/ ۲۹۷) کے مدنظر ہمت سے کام لے کر تقویٰ وطہارت کی حفاظت کو یقینی بنانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اسکے لئے درجِ ذیل تدابیر کو علماء ومشائخ نے مفید فرمایا ہے۔

(۱) نظر کی حفاظت

نظر کی حفاظت نص قطعی سے فرض ہوئی ہے، عورتوں اور مردوں دونوں کو مستقل طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کا پابند کیا ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (سورۃ النور آیت: ۳۰)

مؤمنین سے فرمادیجئے کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِناتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (سورۃ النور آیت: ۳۱)

مؤمن عورتوں سے فرمادیجئے کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: نگاہ دل کا سب سے بڑا دروازہ ہے، اور آباد ترین راستہ ہے اسی وجہ سے اسکے ذریعہ بہت سے نقصانات ہوتے ہیں، جن سے بچنا لازم ہے، اور ان گناہوں سے بچنے کا ذریعہ تمام محرمات سے بلکہ ہر اس منظر کے دیدار سے نگاہوں کو محفوظ رکھنا ہے جن کا دیکھنا کسی فتنہ اور خطرہ کا سبب ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن: ۶/ ۱۴۸)

مسندِ احمد کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے چھ اعمال کے اہتمام کرنے پر جنت میں داخلے کی بشارت دی ہے ان میں ایک نظر کی حفاظت بھی ہے۔ (مسندِ احمد ۵/ ۲۳۳)

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے راستوں میں کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر کسی ضرورت سے ٹھیرنا ہی پڑے تو نگاہیں نیچی رکھ کر کھڑے ہوں۔ (مشکوٰۃ کتاب الآداب)

ابوداؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: کسی نامحرم پر اچانک نظر پڑ جائے تو دوبارہ مت ڈالو اسلئے کہ پہلی والی جو بلا ارادہ پڑ گئی وہ تو معاف ہے مگر دوسری جو ارادہ سے اٹھائی گئی وہ معاف نہیں ہے قابلِ مواخذہ ہے۔ (ابوداؤد:۲۰۱۵)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: تمہارے سامنے سے کوئی عورت گذرے تو اس وقت تک اپنی نگاہیں نیچی رکھو جب تک کہ وہ آگے نہ نکل جائے۔ حضرت امام زہریؒ نابالغ لڑکیوں سے بھی نگاہ کی حفاظت کا حکم دیتے تھے۔ حضرت وکیعؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سفیان ثوریؒ کے ساتھ عید کے دن گھر سے باہر نکلے تو فرمایا: پہلا عمل جس سے آج کے دن کی ابتداء ہونی چاہئے وہ نظروں کی حفاظت ہے۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ جو شخص نگاہ کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی بدولت اسکے قلب کو بصیرت وحکمت عطا فرماتا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی احادیث وآثار ہیں جو نظر کی حفاظت کی ترغیب اور اسکی خلاف ورزی کی مذمت بیان کرتی ہیں، نظر کی حفاظت ہی میں حجاب شرعی کا اہتمام بھی داخل ہے، بہت سے لوگ ـــــ مرد وعورتیں ـــــ اجنبیوں سے پردہ تو کر لیتے ہیں لیکن اہل تعلق اور خاندان کے نامحرموں سے نہیں کرتے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ صرف رسمی پردہ ہے، شرعی پردہ یہ ہے کہ شریعت نے جن جن کو نامحرم قرار دیا ہے اور ان سے پردہ کو ضروری کیا ہے ان سب سے پردہ کریں۔ خواہ وہ اجنبی ہوں یا رشتہ دار!

(۲) نامحرم عورتوں سے دور رہنا اور گفتگو سے بھی بچنا

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عورتوں کی جگہوں میں جانے سے بچو'' اس پر ایک انصاری صحابیؓ نے عرض کیا: دیور کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: دیور (کا بھاوج کے سامنے نکلنا) تو موت ہے۔ (مشکوٰۃ:۲/۲۰۸)

غور کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کے رہنے کی جگہوں میں جانے سے بھی اس قدر سختی

سے منع فرمایا ہے اور قریب ترین عزیزوں کو بھی منع کیا ہے تو خلوت میں کسی عورت سے ملنا اور اجنبیوں کا ملنا کسقدر سخت وعید کا مستحق ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ناک کا مردار کی بو سے بھر جانا گوارا ہے مگر یہ بات گوارا نہیں کہ کسی نامحرم کی خوشبو میری ناک میں پہونچے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے ہاتھ کا پگھلے ہوئے سیسے میں ڈالدیا جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی نامحرم عورت کے جسم کو چھوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان المرأة تقبل فی صورة شیطان وتدبر فی صورة شیطان فاذا ابصر احدکم امرأة فلیأت اهله فان ذالک یرد ما فی نفسه (مسلم کتاب النکاح)

بیشک عورت کبھی کسی شیطان کی صورت میں کبھی کسی شیطان کی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی ہے، جب تم میں سے کسی کی نظر میں کوئی عورت آجائے تو اسے چاہئے کہ اپنی گھر والی کے پاس چلی جائے کیونکہ اس سے اس عورت کو دیکھنے سے پیدا شدہ وساوس ختم ہوجائیں گے۔

اس حدیث کی تشریح میں امام نوویؒ فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہیکہ عورت خواہشات کے ابھرنے اور فتنہ کے پیدا ہونے کا سبب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے اندر اسکی جانب میلان اور اس کے نظارہ سے لذت اندوزی کا مادہ رکھا ہے، پس وہ اپنی زیبائش وآرائش اور حسن وجمال کے مظاہرہ کے ذریعہ آدمی کے قلب ودماغ پر چھاجانے میں گویا کہ شیطان کے مشابہ ہے یعنی شیطان جس طرح وساوس وخطرات اور دلفریب مناظر کے ذریعہ آدمی کو تقویٰ کی روش سے

بہکا دیتا ہے۔اسی طرح عورت بھی اپنی دلربا اداؤں سے مردوں کو اپنے دامِ محبت میں گرفتار کر لیتی ہے۔ (مسلم بشرح النووی ۹/۵۲۶)

اور اسی سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ عورت کو بلا سخت مجبوری کے مردوں کے درمیان نہیں جانا چاہیے، اسی طرح مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنا اور عورتوں بلکہ ان کے کپڑوں سے بھی نظر کو محفوظ رکھنا چاہئے، اور بہت ہی صرفِ نظر اور بے التفاتی سے کام لینا چاہئے۔

(۳) نوعمر لڑکوں سے بھی پرہیز کرنا

ابن حجر ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

اکثر علماء امت نے امردوں کے ساتھ خلوت کو بھی ـــــ خلوت مع المرأۃ کی طرح ـــــ حرام قرار دیا ہے، بلکہ بعض وجوہ سے امردوں کی صحبت وخلوت کو عورتوں کے ساتھ خلوت سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا ہے، کیونکہ بعض خوبصورت بچے عورتوں سے بھی زیادہ حسین وفتنہ سامان ہوتے ہیں، ان کی صحبت پر نکیر ونفرت کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے اقوال اسقدر ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے، پس معلوم ہوا کہ بعض جاہلوں کا یہ کہنا کہ عبرت ومشاہدۂ قدرت کیلئے دیکھا جاسکتا ہے محض شیطانی فریب ہے، ایسی باتوں میں بعض جاہل صوفیوں کے قدم لغزش کھا گئے، اگر ایسی کوئی گنجائش ہوتی تو شارع ﷺ جو انسانی نفسیات کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اس کی صراحت فرمادیتے، جب انہوں نے مطلقاً منع فرمایا ہے تو ہو وہ مطلقاً مُضر ہے، عبرت حاصل کرنے کیلئے ان کے علاوہ بھی بہت سے مناظر واشکال موجود ہیں جو بہت کافی ہیں، لیکن بات دراصل یہ ہیکہ یہ سب حیلے اور تاویلات خباثت باطنی، فسادِ عقلی اور ضعفِ ایمانی کا نتیجہ ہوتے ہیں، شیطان بُرے اعمال کو حسین تاویلات کے ذریعہ مزین کر کے اس میں مبتلا کر دینا چاہتا ہے، حقیقت یہ ہیکہ جو شخص شیطان کو اپنے آپ پر ادنیٰ درجہ کی

چھوٹ بھی دے گا تو وہ اس کے ذریعہ اسکو مبتلائے معصیت کر کے ذلت ورسوائی تک پہونچا کر ہی رہیگا، بلکہ اس کے ساتھ ایسا کھیل کھیلے گا جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ پس اے سمجھدار اور ہوشیار مسلمان! تجھ پر لازم ہے کہ شیطان کے مکائد اور چالبازیوں سے اپنے کو چوکنا رکھے، اور کسی ایسے دروازے کو نہ کھولے جسے شریعت نے بند کر دیا ہے، کیونکہ شیطان نص قطعی کے ذریعہ ہمارا دشمن قرار دیا چکا ہے اور کوئی دشمن اپنے دشمن کو ہلاک کر دینے بلکہ جڑ پیڑ سے برباد کر دینے سے کم پر راضی نہیں ہوتا۔ (الزواجر:۱/۸۹۷)

اسی لئے بعض مشائخ کرام اس سلسلہ میں بڑی احتیاط اور غایت درجہ خوفِ خدا سے کام لیتے تھے، نوعمر لڑکوں سے بالخصوص اگر وہ خوب رو ہوں تو اس سے بھی زیادہ دور رہتے تھے جتنا کہ کنواری لڑکیوں اور نامحرم عورتوں سے اہلِ تقویٰ دور رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ ایک مرتبہ غسل خانہ میں داخل ہوئے —— جو اس زمانہ میں غالباً سرایوں یا عام آبادیوں میں ہوتے تھے —— وہاں ایک چھوٹے بچے کو دیکھا تو فرمایا کہ اس کو ہٹاؤ! پھر ارشاد فرمایا عورتوں کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے تو ان لڑکوں کے ساتھ دس سے زیادہ شیاطین ہوتے ہیں۔ یعنی امردوں پر نظر و نیت خراب ہونے کا عورتوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ حسن بن ذکوانؒ فرماتے ہیں کہ: مالداروں کی اولاد سے احتیاط کرو، ان کے بچوں کی صورتیں عورتوں کی طرح دلفریب اور دلربا ہوتی ہیں۔ اور ایسے بچے کنواری لڑکیوں سے زیادہ فتنہ سامان اور تقویٰ شکن ہوتے ہیں۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ تابعین اور سلفِ صالحین تو انہی خطرات دینیہ وایمانیہ کی وجہ سے کم عمر لڑکوں کی طرف دیکھنے کو بھی مکروہ سمجھتے اور احتیاط برتا کرتے تھے۔ بعض تابعین کے حوالہ سے ان کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے کہ دیندار نوجوان کیلئے امردوں کی صحبت خونخوار درندوں سے بھی زیادہ مضر و مہلک ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے امام محمدؒ کو نوعمر ہونیکی وجہ سے

درسگاہ میں اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ امام احمدؒ کے پاس ایک صاحب ایک بچہ کے ساتھ آئے تو فرمایا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا میرا بھتیجہ ہے، فرمایا آئندہ پھر کبھی میرے پاس نہ لانا اور اپنے ساتھ لیکر بھی نہ پھرنا، تاکہ جو لوگ تمہارے اور اسکے رشتے کو نہیں جانتے وہ تم سے بدگمانی نہ کریں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ بالاخانہ پر اپنے مقررہ وقت میں ''تفسیر بیان القرآن'' کی تصنیف کیلئے گئے ہوئے تھے، اس وقت وہاں وہ تنہا ہوا کرتے تھے، ناظمِ خانقاہ مولوی شبیر علی صاحب نے کسی بات کی اطلاع کیلئے ایک طالبعلم کو اوپر بھیج دیا، جب اس لڑکے پر حضرت کی نظر پڑی تو فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری طرف کی سیڑھیوں سے نیچے اتر آئے اور مولوی شبیر علی صاحب پر سخت برہمی وناراضگی کا اظہار فرمایا۔ الغرض نوعمر لڑکوں سے بھی عورتوں کی طرح بچنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ان کی طرف رغبت ایک روحانی مرض ہے اور بدترین مرض ہے، زناکاری اور بدکاری ہی کی ایک قسم ہے بلکہ اس سے بدترین اور شرمناک گناہ ہے، وقت پر نکاح نہ کرنے اور بلاوجہ ٹال مٹول اور تاخیر کرنے کے نتیجہ میں یہ مرض پیدا ہوتا ہے اور جب پیدا ہوجاتا ہے تو شادی کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتا، کیونکہ ایسے لوگوں کو عورتوں میں رغبت کم ہوجاتی ہے، لونڈوں کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔ اللہ پاک اپنے کرم سے ہماری حفاظت فرمائے۔ **اللّٰھم اقسم لنا من خشیتک ماتحول به بیننا وبین معصیتک .**

(۴) یہ سوچنا کہ اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت کی طرح ہر ایک عورت کی عزت بھی واجب الاحترام ہے۔

امام احمد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک قریشی نوجوان حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور سیدھے سادے انداز میں عرض کیا یارسول اللہ! مجھے بدکاری کی اجازت دیجئے! لوگ اس کی گستاخی سے بے چین ہوکر اسے تنبیہ کرنے لگے،

حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ رہنے دو، اس کو میرے قریب کردو، چنانچہ وہ نوجوان قریب آگئے، آپ نے بڑے صبر وحلم سے ان کو سمجھانا شروع کیا اور فرمایا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنا پسند ہے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں! میں آپ پر قربان ہو جاؤں!! آپ نے فرمایا پھر دوسرے لوگ بھی نہیں چاہتے کہ انکی ماؤں کے ساتھ زنا کیا جائے، پھر پوچھا! اچھا بتاؤ تمہاری بیٹی کے ساتھ تم زنا کاری پسند کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہرگز نہیں! میں آپ پر قربان! فرمایا پھر دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ بدکاری گوارا نہیں کرتے، اسکے بعد آپؐ بہن کے پھوپی کے خالہ کے حق میں ایک ایک کر کے اسی طرح فرماتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے، اور اسطرح ان کے ذہن میں یہ بات بٹھلادی کے ہر عورت کسی نہ کسی کی بہن، بیٹی، ماں، خالہ، پھوپی کچھ نہ کچھ ہوگی، سب کی عزت ہمارے لئے قابل احترام ہے، جو ہم اپنی ماں بیٹیوں کیساتھ پسند نہیں کرتے دوسروں کی بہو بیٹیوں کیساتھ کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ اس کریمانہ ومشفقانہ تربیت سے ان کے جذبات قابو میں آگئے اور یہ خیر خواہانہ توجہ دہانی دل پر اثر کر گئی، اپنے مطالبے کی نامعقولیت سمجھ میں آگئی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اس خیال اور تقاضے سے تو باز آیا آپ میرے لئے اپنے نفس پر قابو کی دعا فرما دیجئے، آپؐ نے انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اللھم اغفر ذنبه وطھر قلبه وحصن فرجه اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما، دل پاک فرما اور اسکی شرمگاہ کو محفوظ فرما۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد یہ نوجوان ایسے پاکباز ہوئے کہ کسی برائی کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ (مسند احمد ۵/ ۲۵۷)

(۵) روزہ کے ذریعہ کسرِ شہوت کی کوشش کرنا

ایسے شخص کیلئے ایک تدبیر روزوں کا اہتمام ہے، روزہ کا اس کو دو طرح نفع ہوگا،

ایک تو نفسیاتی قوت حاصل ہوگی، دوسرے جذبۂ شہوت ٹوٹے گا اور کمزور پڑیگا۔

نفسیاتی قوت حاصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب روزہ کی حقیقت کھانے پینے اور جماع جیسے حلال کاموں کو صبح صادق سے لیکر غروبِ آفتاب تک اپنے اوپر حرام کر لینا اور نفس کو ان تقاضوں کی تکمیل سے روکے رکھنا ہے تو اس میں یہ غور کرنے کا موقعہ ملتا رہتا ہے کہ بھئی جب اللہ پاک کی رضا کیلئے میں جو کام عام حالات میں حلال تھے ان سے بھی اپنے کو روک سکتا ہوں تو ایسے کام جو کسی وقت بھی حلال نہیں ہیں ان کے ارتکاب کی کیسے ہمت وجرأت کر سکتا ہوں؟ اسلئے اے نفس! خواہ تو کتنا بھی ورغلائے اور چھیڑتا رہے میں تجھے خوش کرنے کیلئے حرام لذت درآمد کر کے اپنے مولائے مہربان کو ناراض کبھی نہیں کروں گا، اسطرح تقویٰ کو تقویت حاصل ہوتی رہتی ہے، ایک نفع یہ ہوا، دوسری طرف مسلسل روزے رکھنے کے نتیجہ میں ضعف پیدا ہو کر شہوت ٹوٹے گی اور ہیجانی کیفیت مضمحل ہو جائیگی، اور "مسلسل" اس لئے کہا گیا کہ ماہرین کے نزدیک ایک آدھ روزہ رکھ لینا نافع نہیں ہے، اسلئے کہ خلوِ معدہ سے شہوت اور بھڑک جاتی ہے، حدیث میں بھی **فعلیہ بالصوم** سے یہی اشارہ ہے ملتا ہے، نبی کریم ﷺ نے نکاح کی ترغیب دینے کے بعد ان نوجوانوں کو جو مطالباتِ نکاح کو پورا نہیں کر سکتے یہ تلقین فرمائی ہے کہ وہ روزوں کا اہتمام کریں:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (مشکوٰۃ ۱/۲)

اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے وہ اپنے اوپر روزوں کو لازم کر لیں، اسلئے کہ یہ انکے حق میں بدکاری سے ڈھال ہے

(۶) اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا اہتمام کرنا

ایک تدبیر بلکہ اہم ترین تدبیر اللہ تعالیٰ سے پاکدامنی کے تحفظ کی دعا کرتے رہنا

ہے، ہمیں حدیث کی کتابوں میں ایسی متعدد دعائیں ملتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے عفت و پاکدامنی مانگی گئی ہے، اور نفس وشیطان کے مکائد خفیہ سے پناہ طلب کی گئی ہے، سہولت کیلئے ایسی چند دعائیں درجِ ذیل کی جاتی ہیں:

★اللھم انی اسألک الھدی والتقیٰ والعفاف والغنی — اے اللہ! میں آپ سے ہدایت تقویٰ پاکدامنی اور استغناء کا سوال کرتا ہوں

★اللھم انی اسألک الصحة والعفة والامانة وحسن الخلق والرضاء بالقدر — اے اللہ! میں آپ سے صحت، پاکدامنی، امانت داری، حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کرتا ہوں۔

★اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی — اے اللہ! مجھے میری بھلائیوں پر مطلع کیجئے اور مجھ کو میرے نفس کی شرارتوں سے بچا لیجئے

★اللھم انی اعوذبک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء — اے اللہ! میں بُری عادتوں بُری حرکتوں اور بُری خواہشوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

★اللھم اغفر ذنبی، وطھر قلبی و حصن فرجی — اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما، میرا دل پاک فرما، اور میری شرمگاہ کو گناہوں سے محفوظ فرما

اور بھی دعائیں احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہمیں نیک سیرتی عطا فرمائے اور بدکرداری سے محفوظ رکھے۔ آمین

(۷) کسی صاحبِ نسبت بزرگ عالمِ دین سے ربط و تعلق

ایک اہم تدبیر صلاح وتقویٰ پیدا کرنے کی اہل اللہ اور بزرگانِ دین میں سے اپنے رجحان اور مناسبت کے مطابق کسی اللہ والے سے ـــــ اگر وہ عالم بھی ہوں تو بہت بہتر ورنہ کسی عالمِ دین اللہ والے بزرگ کی طرف سے اجازت یافتہ ہوں تو بھی کافی ہے ـــــ اپنا اصلاحی تعلق قائم کر لینا ہے، یعنی ان سے اپنا مقصد بتا کر اجازت لے لینا کہ میں اپنی اصلاح کے سلسلہ میں مشورہ کیلئے آپ سے وابستہ رہنا چاہتا ہوں ـــــ بیعت ہو جانے کی کوئی جلدی نہیں اور یہ کوئی لازمی اور ضروری شرط بھی نہیں ـــــ اسکے بعد اپنی اخلاقی کمزوریوں پر نظر کر کے ان میں سے ایک ایک ان کے سامنے زبانی یا تحریری طور پر رکھتے رہنا، اور وہ جو حل بتلائیں اس کے مطابق عمل کرنا، اس گناہ سے اپنے کو پاک کر کے تقویٰ و پرہیز گاری کے نور کو بڑھاتے رہنا، اس کا بہت خیال رکھنا کہ اطلاعِ حالات اور اتباعِ ہدایات میں دیانتداری اور اپنے آپ سے خیر خواہی کے بغیر محض کسی کو بڑا بنا لینے بلکہ بیعت ہو جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔

اہل اللہ سے تعلق اصلاحی کی یہ تدبیر نفع کے اعتبار سے بہت ہی نافع اور مجرب نسخہ ہے، لاکھوں لاکھ عوام وخواص اس تدبیر کے ذریعہ گناہوں کی ناپاک اور منحوس زندگی سے نجات پا کر تقویٰ وطہارت کی پاکیزہ اور محبوب زندگی میں داخل ہو گئے، اور دیکھتے دیکھتے ہدایت وولایت کے اعلیٰ مراتب تک پہونچ گئے۔ بلکہ اوروں کے ہادی ورہنما بن گئے۔

یہ تعلق ایک ایسی ضرورت ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ تک ولایت کے سب سے اعلیٰ مرتبہ پر ہونے کے باوجود اپنے لئے اسکی ضرورت محسوس کرتے تھے، وہ اگرچیکہ بہت ہی پاکیزہ ماحول اور صاف شفاف کردار کے حامل تھے مگر بہ حیثیت انسان کے اور بہ حیثیت ایک نوجوان کے ان کے اندر بھی بشری تقاضے موجود تھے، ان کا نفس بھی ان کو ستاتا تھا، وہ اللہ کے رسول ﷺ سے رجوع ہوتے اور اپنے اپنے حالات وخیالات پیش کر کے مشورہ چاہتے تھے، جب آپ ان کی رہنمائی فرماتے تو پھر وہ پوری دیانت

وامانت سے اس پر عمل کر کے ان خطرات سے بچ جاتے جو کبھی کبھی انہیں لاحق ہو جاتے تھے۔ جب ایسی پاکیزہ جماعت کو ایسے پاکیزہ ماحول میں بھی اپنے نفس کے مکائد سے محفوظ رہنے کیلئے کسی راہنما کی راہنمائی کی ضرورت تھی تو ہمارے اس زمانہ کے گندے اور خبیث ماحول میں —— جبکہ ہر چہار طرف بے پردگی و بے حجابی، عریانیت و برھنگی کا سیلاب امنڈ رہا ہے اور قدم قدم پر گناہ میں پڑنے کے خطرات منڈلا رہے ہیں —— محض اپنی معلومات اور اپنی ذات کے بھروسہ پر ان سے بچ جانے کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اپنے سر پر کسی راہنما اور مرشدِ کامل کے سایہ کو حاصل کر لیں، اور بقول حضرت محی السنۃؒ اس کو پیر و مرشد کہنا شان کے خلاف ہو اور شرم آتی ہو؟ تو مرشد کہنا ہی کیا ضروری ہے؟ دینی مشیر کہہ لو جب کاروبار کیلئے قانونی مشیر رکھ لیتے ہیں، صحت کیلئے طبی مشیر اور فیملی ڈاکٹر کو منتخب کر لیتے ہیں، تو آخرت کی کامیابی اور نفس کی پامالی کیلئے ایک دینی مشیر کے انتخاب کو کیوں غیر ضروری سمجھتے ہیں؟ اور کیوں اس سے حیا اور شرم آتی ہے؟

اس سلسلہ میں علمی دنیا کی ایک عظیم شخصیت محدثِ دکن ابوالحسنات حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

مرید ہونا تو کوئی نئی بات نہیں، قرونِ اولیٰ میں اسی کو ''بیعت'' ہونا کہتے تھے، صحابہ کرامؓ نے بھی مختلف امور میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے، وہی سلسلہ جاری ہے، بیعت سے مقصود سچی توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا طریقہ معلوم کر کے یادِ الٰہی میں مشغول ہو جانا ہے، اب کہئے! یہ کونسی بری بات ہے؟ مُرید ہونے کی کوئی خاص شرط نہیں ہے، اس قدر ضروری ہے کہ مرشد کی ہدایات پر اہتمام سے عمل کرتے رہیں، بشرطیکہ مرشد خود بھی شریعتِ اسلامی کا پابند ہو، نہ خلافِ شرع باتیں کرتا ہو، اور نہ خلافِ شرع کام کرتا ہو، برائے نام مرید ہونے سے کام نہیں چلتا، مرشد کے احکام بجالانا

ضروری ہے خواہ نفس پر کتنا ہی گراں ہو، کیونکہ پیری مریدی خاص طور پر اطاعتِ الٰہی کا معاہدہ ہے۔البتہ مرشد کامل تلاش کیجئے ،اس کی پہچان یہ ہے کہ اسکی صحبت سے دل خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے لگے، وہ علم دین سے واقف ہو، عقائد واعمال میں شریعت کا پابند اور متقی ہو، دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، اور خود اس نے کسی پیر کامل سے فیوض وبرکات حاصل کئے ہوں، اسکی مجلس میں بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور آخرت کی رغبت میں ترقی محسوس ہو۔ (مواعظِ حسنہ ۱/۷۲)

خود صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے دستِ حق پرست پر ثبات علی الحق کی اور ترکِ معصیات کی بیعتیں کی ہیں۔ بخاری ومسلم میں عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہیکہ صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے ،چوری نہ کرو گے، اولاد کو قتل نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے اور نیکی کے کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ (مسلم ۲/۷۱)

ابن ماجہ ومسلم نے ابو مالک اشجعیؓ سے روایت کیا ہیکہ ہم آٹھ یا نو آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرو گے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو بیعت اسلام پہلے ہی کر چکے ہیں، اب کا ہے کی بیعت کریں گے؟ فرمایا: اس بات کی کہ شرک نہیں کرو گے، پنجوقتہ نماز کا اہتمام کرو گے، اطاعتِ کاملہ کرو گے اور لوگوں سے سوال نہیں کرو گے'' چنانچہ ہم لوگوں نے ان باتوں پر آپؐ سے بیعت کرلی۔ (مسلم ۲/۷۱)

امام مسلم نے جریر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر ہر مسلمان کیساتھ بھلائی کرنے کی بیعت کی تھی (مسلم ۱/۷۵)

امام بخاریؒ نے ام عطیہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ہم نے حضور ﷺ سے بیعت کی تھی تو اس میں آپ نے ہم سے نوحہ نہ کرنے کا عہد لیا تھا۔ (بخاری ۵/۴۹۰)

امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہیکہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے سمع وطاعت کی بیعت کیا کرتے تھے۔ (مسلم ۵/۴۹۰)

اسی طرح خواتینِ اسلام کو بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیئے، عہدِ رسالت کی خواتین اس کا اہتمام کرتی تھیں، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے جذبۂ صلاح وفلاح کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ سے بذریعہ وحی ان کو بیعت کر لینے کی سفارش فرمائی ہے۔

يَـا اَيُّهَـا الـنَّبِـىُ اِذَا جَـائَكَ الْـمُـؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلىَ اَنْ لَايُشْـرِكْـنَ بِـاللّٰـهِ شَيْـئـاً وَّلَا يَسْـرِقْـنَ وَلَا يَـزْنِيْـنَ وَلَا يَـقْتُـلْـنَ اَوْلَادَهُـنَّ وَلَا يَـأْتِيْـنَ بِبُهْتَـانٍ يَّـفْتَـرِيْـنَـهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُـلِهِـنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(سورۃ الممتحنۃ:۱۲)

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر عہد کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ بچوں کو قتل کریں گی، اور نہ شوہر کے غیر سے اولاد پیدا کر کے انہیں اپنا بتلائیں گی اور کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی، تو آپ ان سے بیعت کر کے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

درس عبرت

جہاں میں ہیں عبرت کے ہر سو نمونے
مگر تجھ کو اندھا کیا رنگ و بو نے
کبھی غور سے بھی یہ دیکھا ہے تو نے
جو معمور تھے محل وہ اب ہیں سونے
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوْهُ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

۱۰

وہ لوگ یعنی یہود ونصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ان بُرے کاموں سے جو وہ کر رہے تھے، کیا ہی برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔

(سورۃ المائدۃ:۷۹)

تقریبات کی منکرات اور علماء ودعاۃ

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ نے اپنی ”جامع“ میں ایک مستقل باب ھل یرجع اذا رأی منکرا فی الدعوۃ کے عنوان سے قائم کیا ہے، اور ”ترجمۃ الباب“ ہی میں دو واقعات حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے بیان کئے ہیں، جن میں ان حضرات کے مقام منکر اور مکانِ مصور سے بغیر کھانا کھائے لوٹ جانے کا ذکر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک داعی کے گھر میں تصویریں دیکھیں تو وہاں سے ناراض ہو کر لوٹ گئے۔ اسی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ کسی کے گھر کی دیواروں پر پردے پڑے ہوئے دیکھ کر ناراض ہوئے اور کھانا کھائے بغیر وہاں سے لوٹ آئے۔ (بخاری کتاب النکاح)

پھر باب کے ذیل میں صدیقہ عائشہؓ سے ایک مرفوع روایت نقل فرمائی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کے گھر تشریف لانے اور پردہ یا تکیہ پر تصویر دیکھ کر چہرہ مبارک کے متغیر ہو جانے اور آپؐ کے اسے مٹانے تک وہیں ٹھیرے رہنے کا ذکر ہے۔

عن عائشة زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انها اخبرته انها اشترت نمرقة فیها تصاویر فلما راٰها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجهه الکراهة فقلت یا رسول اللّٰہ اتوب الی اللّٰہ ورسوله ماذا اذنبت فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک تکیہ خریدا تھا جس پر تصویریں تھیں پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو دروازہ ہی پر کھڑے ہو گئے، اندر تشریف نہیں لائے، میں نے جب آپ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار دیکھے تو میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول سے توبہ کرتی ہوں، آخر مجھ سے کیا گنہ ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا

ما بال هذه النمرقة قالت قلت اشتريتها لک لتقعد عليها وتوسدها فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اصحاب هذه الصور يعذبون يوم القيٰمة ويقال لهم احيوا ما خلقهم. وقال ان البيت الذی فيه الصور لا تدخله الملائكة .

(بخاری کتاب النکاح)

یہ تکیہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی راحت کیلئے میں نے خریدا تھا تا کہ اس پر بیٹھ سکیں، اور ٹیک لگا سکیں، آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تصویریں بنانے والوں کو عذاب دیا جائیگا اور ان سے کہا جائیگا جو شکلیں تم نے بنائی ہیں ان کو زندگی بھی عطا کرو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جن گھروں میں (جاندار) تصویریں ہوتی ہیں ان میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مقام منکرات میں شرکت اور وہاں قیام ــــــ اگرچہ تھوڑی ہی دیر کیلئے کیوں نہ ہو ــــــ عام حالات میں اس سے راضی ہونے کے مترادف ہی ہے، خصوصی صورتیں یقیناً مستثنیٰ ہیں۔ اس کے برخلاف ہمارا طرزِ عمل اس سلسلہ میں آج کل جو ہو گیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں ہے، اس سے بھی آگے بڑھ کر اب تو مختلف حیلوں اور تاویلات کے ذریعہ اس کی برائی کو کم کرنے کی سازشیں بھی ہو رہی ہیں، اس کی وجہ غیرتِ ایمانی اور قوتِ روحانی کی کمی کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں:

آج کل یہ خوبی سمجھی جاتی ہے کہ آدمی صلح کل رہے جس جگہ جاوے ویسی ہی کہنے لگے، اسی کو کمال اور وسعتِ اخلاق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ علی الاطلاق غلط ہے، بلکہ جہاں امر بالمعروف وغیرہ قطعاً مفید نہ ہو ممکن ہے کہ صرف سکوت کی گنجائش نکل آوے نہ کہ ہاں میں ہاں ملانے کی، لیکن جہاں مفید ہو سکتا ہے مثلاً اپنی اولاد اپنے ماتحت اپنے دست نگر لوگوں میں وہاں کسی طرح بھی یہ سکوت کمالِ اخلاق نہیں بلکہ سکوت کرنے والا

خود شرعاً و عرفاً مجرم ہے۔ (فضائلِ تبلیغ ص:۱۱)

ص:۱۳۰ پر ایک دوسری حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں "اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی انتہا کوئی حد ہے اور اس کے روکنے یا بند کرنے یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی، کوئی کوشش ہے؟ ہرگز نہیں! حدیث میں ہے کہ کلمہ طیبہ اپنے پڑھنے والے کو اس وقت تک فائدہ پہنچاتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اس کے حقوق سے لاپرواہی نہ کرے اور اس کے حقوق کی لاپرواہی یہ ہے کہ زمین پر خدا کی نافرمانی عام ہو جائے اور اس کے مٹانے کی کوشش نہ کی جائے"۔ (فضائلِ تبلیغ ص:۱۳۰)

حضرت مدنیؒ فرماتے تھے کہ میں نے شادیوں میں شرکت اس لئے چھوڑ دی ہے کہ وہاں ہر ایک عزیز و قریب جمع ہوتا ہے مگر اللہ رسولؐ شریک نہیں ہوتے۔

(مکاتیب شیخ الاسلام)

کیونکہ ہر ایک کی مرضی کی تکمیل کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مرضیات و تعلیمات کو فراموش کر دیا جاتا ہے، ان احادیث اور واقعات سے معلوم ہوا کہ تقریبات میں منکرات کے باوجود بلا سخت ضرورت کے شریک رہنا دینِ اسلام کی حق تلفی ہے، بالخصوص اہلِ صلاح، اہلِ علم اور مبلغینِ دین کیلئے تو انتہائی مضر ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ نے دعوت قبول کرنے کے وجوب یا استحباب کو ساقط کرنے والے اعذار کو شمار کرتے ہوئے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ "اس مجلس دعوت میں اگر کسی وجہ سے نہ شریک ہونا مصلحت ہو اسی طرح وہاں لہو و لعب ہو، یا شریک ہونے میں باطل پر تعاون کا خطرہ ہو تو ان اعذار کی وجہ سے دعوت قبول کرنے کا حکم شرعی ساقط ہو جائے گا" آگے خود ہی فرماتے ہیں: "مخفی نہ رہے کہ اس زمانہ میں مذکورہ بالا امور سے شاید ہی کوئی محفل خالی ہو" (مرقاۃ المفاتیح ج:۶)

بہر حال! آج کل یہ دیکھا جا رہا ہے کہ غیر شرعی و غیر اسلامی تقریبات میں عوام کو تو چھوڑیئے، واعظین، داعیین، مبلغین و مقررین و اہلِ دین سب ہی بلا تکلف شریک

ہو جاتے ہیں ـــــ الا ماشاء اللہ ـــــ اور اس کی ذرا پروانہیں کرتے کہ ان اعمال کیساتھ ہماری دعوت ونصیحت کس قدر غیر موثر بلکہ ہمارا کردار کتنا مشتبہ ہو جا سکتا ہے۔

اس لئے ہم سب عالموں، داعیوں اور دیندار کہلائے جانیوالوں کی ذمہ داری ہے کہ اس مسئلہ کی طرف خصوصی توجہ دیں، اور بلا سخت ترین قومی وملی ضرورت کے ایسی تقریبات ایسے مقامات میں شرکت سے اجتناب کریں، آج جبکہ امت بڑی مظلومیت کی زندگی گذار رہی ہے، ذلت وخواری چھائی ہوئی ہے، بے چینی عام ہے ایسے وقت توان برائیوں کو ترک کرنے کی اور بھی سخت ضرورت ہے، کم از کم سمجھدار و دیندار طبقہ اس سے یکسوئی وعلاحدگی اختیار کر لے تو اس کا اثر انشاء اللہ اس پوری سوسائٹی پر پڑیگا جو خود اپنی حرکات سے عاجز ہو چکی ہے، اور کسی دوسرے کے آگے بڑھنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کے لئے صرف ارادے وہمت کی ضرورت ہے چاہنے والے کی اللہ خود مدد فرماتے ہیں، حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

تجھ کو جو چلنا طریقِ عشق میں دشوار ہے
تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے
ہر ہر قدم پر رہ رو جو کھا رہا ہے تو ٹھوکریں
لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

قرآن مجید میں ہے ''تم کو جو مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے'' اسلئے اگر ہم خود اپنے اعمال کی صحت ودرستگی کی فکر میں لگ جائینگے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے موافق ہمارے احوال کو درست فرمائے گا۔

نوٹ: بعض مرتبہ حالات ایسے ہوتے ہیں کہ بادل نخواستہ ہی سہی شریک ہونا پڑتا ہے مثلاً قریب ترین رشتہ داری کا معاملہ ہوتا ہے، یا نکاح کے وقت کسی ایک فریق کے سخت دباؤ کا سامنا ہوتا ہے، وغیرہ ایسے مواقع پر سختی ودرشتی سے مزید نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، چونکہ مخصوص مواقع مستثنیٰ ہیں ان کے احکام جدا ہیں ایسے مواقع پر خود رائی کے بجائے علماء سے مشورہ کر کے ان کی ہدایت مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

دستورالعمل

امن عالم کا بس سامان اب سامان چاہیے
بس اب یہی دُھن تجھ کو اب ہر آن ہونا چاہیے
سب کا دستور العمل قرآن ہوناچاہیے
حق کا جاری ہر جگہ فرمان ہونا چاہیے
مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمِنْ اٰيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهاَ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً

۱۱

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے جوڑے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعہ سکون وسرور حاصل کرسکو اور اسی نے تمہارے درمیان مودت ومحبت پیدا کر دی۔

(سورۃ الروم:۲۱)

حقوق الزوجین

آج کل مسلمانوں کے ازدواجی تعلقات دن بہ دن خراب ہوتے جارہے ہیں، زوجین کے درمیان طرح طرح کے واقعات رونما ہورہے ہیں، اسکی وجہ بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ میاں بیوی دونوں ایکدوسرے کے اسلامی وشرعی حقوق سے غافل ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ اس صورتحال کی سدھار کے لئے سب کچھ کرتے ہیں مگر نبوی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے، جب دوا کے بجائے زہر کھائیں گے تو کیسے مسئلہ حل ہوگا؟ ہماری ریاست میں ایک بہت ہی بافیض روحانی وعلمی شخصیت گذری ہے، ان کا نام حضرت صوفی غلام محمد صاحبؒ تھا، ایک مرتبہ ان کے مریدین میں سے ایک جوڑا ان کے پاس گاؤں سے سفر کرکے پہونچا اور عرض کیا کہ ہمارے درمیان بہت اختلافات اور جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، حالانکہ ہم کو ایک دوسرے سے محبت بھی بہت ہے، بالآخر ہم لوگوں نے یہ طئے کیا کہ حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں، وہ جس کو قصوروار قرار دیں، وہ اپنی غلطی مان لے اور اصلاح کرلے، تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو، حضرت نے دونوں سے علاحدہ علاحدہ سوال فرمایا کہ تمہیں دوسرے سے کیا شکایت ہے؟ بیوی نے کہا: ان میں سب خوبیاں ہیں مگر بس میری بات نہیں مانتے ہیں، شوہر نے بھی بعینہٖ وہی جواب دیا کہ بیوی میں سب اچھائیاں ہیں بڑی خدمت کرتی ہے مگر بس یہی ایک کمزوری ہے کہ میری بات نہیں مانتی، حضرتؒ نے بڑی سنجیدگی سے فرمایا: میرا فیصلہ بھی یہی ہے کہ تم لوگ ایک دوسرے کی بات ہرگز نہ مانو، وہ لوگ اور دیگر سامعین سب حیران ہوگئے کہ حضرت نے یہ کیسا جواب دیدیا، پھر کچھ توقف کرکے فرمایا: تم بیوی کی بات مت مانو، تمہاری بیوی تمہاری بات نہ مانے دونوں مل کر اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی بات مانو" اگر اللہ ورسول کی اطاعت کروگے تو ان کی اطاعت کی برکت سے خود بخود یہ جھگڑا ختم ہوجائے گا، اس کے بغیر نہیں! ایک حکیم ودانا مربی کی یہ بات آبِ زر سے لکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول ﷺ نے زوجین کو جو ہدایات دیں، اور ایک دوسرے کے جو حقوق بیان فرمائے سب سے پہلے ان کے جاننے کی ضرورت ہے، ذیل میں زوجین کے چند اہم حقوق احادیث شریفہ کی روشنی میں درج کی جارہی ہیں۔

بیوی کے ذمہ شوہر کے حقوق!

(۱) شوہر کی موجودگی میں عورت کو چاہیے کہ اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے۔ (بخاری ۶/۱۵۰)

(۲) شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر آنے کی اجازت نہ دے اور نہ اس کے اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ خرچ کرے۔ (بخاری ۷/۳۹)

(۳) عورت کے حق میں اس کے شوہر کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو عورت کو حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (ترمذی ۲/۳۸۶) یعنی شوہر اس قدر عزت واحترام کا مستحق ہے۔

(۴) جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی (ترمذی ۲/۳۸۶) بشرطیکہ کوئی اور عمل رکاوٹ نہ ہو۔

(۵) جس عورت نے پانچ وقت کی نمازوں کا اہتمام کیا، رمضان کے روزے رکھے، اپنی عصمت کی حفاظت کی، اور شوہر کی اطاعت کی (اس حال میں مرگئی تو) وہ جنت کے جس دروازے سے جی چاہے داخل ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ ۲/۲۳۸) مطلب یہ ہیکہ جو عورت آخر وقت تک احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور اپنے شوہر کے ساتھ حسنِ معاملت کرتی رہی، اس جگہ صرف نماز روزہ کا ذکر مثالاً کیا گیا ہے، ورنہ پورا دین اس میں داخل ہے۔

(۶) جب کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہونچاتی ہے تو اس کی حورانِ جنت اس عورت سے کہتی ہیں کہ اللہ تجھے ہلاک کرے اپنے شوہر کو تکلیف مت پہنچا، کیونکہ وہ

تیرے پاس عارضی مہمان ہے اور بہت جلد تجھ سے علاحدہ ہوکر ہمارے پاس آجائیگا۔

(ابن ماجہ ا/۶۴۹)

(۷) اگر شوہر بیوی کو یہ حکم دے کہ وہ سفید پہاڑ کے پتھر ڈھوڈھوکر سیاہ پہاڑ پر منتقل کرے اور اسیطرح اسکے برعکس کرے تو اسے چاہئے کہ کر گذرے (مسند احمد ۶/۷۶) یعنی مشکل سے مشکل کام میں بھی جذبہ اُطاعت کا مظاہرہ کرے، اور اگر عمل مشکل ہوتو ادب واخلاق سے اس طرح انکار کرے کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔

(۸) جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو اس کی نہ نماز قبول ہوتی ہے اور نہ کوئی نیکی قبولیت کیلئے آسمانوں پر اٹھائی جاتی ہے۔ یعنی شوہر کو راضی کرنے تک، جبکہ اس کی ناراضگی کسی مباح مسئلہ میں ہو اور اگر وہ کسی دینی حکم اور شرعی مسئلہ کے خلاف ناراض ہوا ہے تو یہ ناراضگی کچھ مضر نہیں، ایسے وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی فکر ہی ضروری ہے۔ (مشکوٰۃ:۲/۲۴۲)

(۹) اگر شوہر اپنی ضرورت سے بیوی کو بُلائے اور وہ انکار کرکے سوجائے تو اس نافرمانی کی وجہ سے بیوی کی رات اس حالت میں گذرتی ہے کہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ (بخاری:۶/۱۵۰)

(۱۰) عورتوں کی بڑی تعداد شوہروں کی ناشکری، اور احسان فراموشی کی عادت کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (بخاری ۷/۴۱) یعنی بیوی کو ہمیشہ اپنے شوہر کی شکر گذار اور احسان شناس رہنا چاہئے۔

احادیثِ بالا کی روشنی میں ایک خاتون کو یہ بات بآسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ شریعت میں شوہر کا کتنا بڑا مقام ہے، اور اس کی عزت کرنا، اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ خوش رکھنے کی کوشش کرنا، مباحات (جائز امور) میں اس کی ادنیٰ نافرمانی سے بھی اپنے کو بچانا کس قدر ضروری ہے، اور اس کے خلاف کرنے کے نتائج دنیا وآخرت میں کس درجہ خطرناک ہیں۔ اس لئے ایک سعادت مند بیوی کا فریضہ اور ذمہ داری ہے

کہ وہ اپنی زندگی میں محسنِ اعظم ﷺ ——— جنھوں نے اس کو ذلت وخواری کی پستی سے نکال کر عزت ورفعت کا مقام عطافرمایا ہے ——— کی ان ہدایات کو مدنظر رکھے، اسی میں اس کی کامیابی اوردارین کی سرخروئی ہے۔

آخر میں ایک جامع روایت جس میں آنحضرت ﷺ نے بہترین اور پسندیدہ بیوی کی تین صفات کا ذکر فرمایا ہے درج کی جارہی ہیں، تاکہ ہماری بہنیں اس کے آئینہ میں اپنی سیرت سنوارلیں، ارشاد فرمایا کہ:

(۱۱) سب سے بہترین عورت وہ ہے کہ اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو (اپنے حسنِ خلق، چہرہ کی بشاشت اور جذبہ اطاعت سے) اس کو خوش کردے، اور اگر کسی کام کا حکم دے تو (بشوق ورغبت) فوراً کرڈالے اور اپنے شوہر کی مرضی کی مخالفت نہ کرے، نہ اپنی ذات کے سلسلہ میں کرے نہ اس کے مال کے سلسلہ میں، یعنی شوہر کی مرضی کے خلاف نہ کہیں جائے آئے اور نہ کوئی کام کرے، اسی طرح مال کی حفاظت کرے، اس میں نہ خیانت کرے اور نہ اس کی ناپسندیدہ چیزوں میں صرف کرے۔ (مشکوۃ ۲/۳۰۲)

شوہر کے ذمہ بیوی کے حقوق

(۱۲) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مستقل طور پر دن میں روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ کبھی روزہ رکھ لو کبھی نہ رکھو، کبھی رات میں عبادت کرو کبھی سوجاؤ اس لئے کہ تمہارے جسم کا، تمہاری آنکھوں کا، اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ (بخاری ۷/۴۰) یعنی چونکہ ان کے حقوق کے بارے میں تم سے سوال ہوگا اس لئے مخلوق کے حقوق کی ادائیگی سے غافل ہوکر دن رات عبادات میں رہنا کوئی کمال کی بات نہیں، بلکہ اہلِ حقوق کی ادائیگی ہی کمالِ انسانیت وبندگی ہے۔

(۱۳) جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ پڑوس کو ایذا نہ پہونچائے اور عورتوں کے ساتھ خیروخوبی کا معاملہ کرے کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا

ہوئی ہیں اس لئے اگر تم اسے سختی سے سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائیگی (یعنی طلاق کی نوبت آجائے گی) اور اگر چھوڑ دوگے تو اسی طرح رہے گی۔ (بخاری ۷/۲۴) یعنی درست نہ ہوگی اس لئے نرمی وشفقت کے ساتھ دھیرے دھیرے اصلاح ودرستگی کی کوشش کرتا رہے۔

(۱۴) کوئی شوہر اپنی بیوی سے بغض نہ رکھے اس لئے کہ اگر اس میں کوئی عادت تکلیف دہ ہے تو کوئی دوسری اچھی بھی ہوگی، یعنی اگر اس کے کسی عمل سے تکلیف پہنچے تو حالت غضب میں کوئی انتہائی اقدام نہ کر بیٹھو بلکہ صبر سے کام لو۔ (مسلم: ۸۴۶)

(۱۵) بیوی کا حق شوہر پر یہ ہیکہ جب خود کھانا کھائے تو اس کو بھی کھلائے اور جب اپنے کپڑے کا انتظام کرے تو اس کے لئے بھی کرے اور اس کے چہرہ پر نہ مارے اور نہ اس کی بُرائی کرے اور نہ اس کو اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور تنہا چھوڑے (ابوداؤد) یعنی تادیب وتربیت کیلئے اگر اپنے سے دور رکھنے کی ضرورت بھی پڑے ـــــ جیسا کہ سورہ نساء میں ہدایت دی گئی ہے ـــــ تو اپنے ہی گھر میں رکھے۔

(۱۶) ایمان کے اعتبار سے کامل ترین وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ سب سے زیادہ لطف ومہربانی کا معاملہ کرنے والا ہو

(ترمذی ۲/ ۳۸۷)

(۱۷) تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتا ہو، اور خود میرا معاملہ یہ ہیکہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہوں۔ (ایضاً)

(۱۸) جو شخص اپنی بیوی کی ایذاء رسانی پر صبر کرے اللہ تعالیٰ اس کو حضرت ایوبؑ کے صبر کے بقدر اجر عطا فرماتے ہیں۔ (الکبائر: ص ۱۷۹)

حافظ شمس الدین الذہبیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح عورت اپنے شوہر کی اطاعت اور خوشنودی والے اعمال کی پابند ہے اسی طرح شوہر بھی اس پر احسان ونرمی کا معاملہ

کرنے، اس کی جانب سے پیش آنے والی بدخلقی پر صبر کرنے، اور اس کے نفقہ، کسوہ اور حسن معاشرت کے حقوق ادا کرنے پر مامور ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'' ان عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔

اس کے بعد حافظ موصوفؒ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس ایک شخص اپنی بیوی کی نافرمانی کی شکایت کرنے کے لئے آیا، ان کے دروازہ پر پہنچا تو ان کی بیوی کی آواز سنی کہ ان سے الجھ رہی ہے اور تلخ کلامی کر رہی ہے لیکن حضرت عمرؓ خاموش سن رہے ہیں، کچھ جواب نہیں دیتے تو وہ شخص یہ سوچ کر واپس ہونے لگا کہ حضرت عمرؓ کا باوجود اپنے مقام اور خاص مزاج کے اپنی اہلیہ کے ساتھ یہ حال ہے تو میری کیا حیثیت؟ اتنے میں حضرت عمرؓ باہر نکل آئے، اور اس سے آنے کی وجہ پوچھی اس نے سارا قصہ سنایا، یہ سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: میری بیوی میرا کھانا تیار کرتی ہے، روٹی پکاتی ہے، کپڑے دھوتی ہے، میرے بچوں کو دودھ پلاتی ہے، حالانکہ یہ سب امور اس پر لازم نہیں ہیں، لیکن میری خاطر سے ان سب ذمہ داریوں کو گوارا کرتی ہے اور میرا دل اس کی موجودگی کی وجہ سے حرام وسوسوں اور خیالات سے محفوظ ہے، جب اس کی وجہ سے مجھے یہ سب نعمتیں ملی ہوئی ہیں تو کیوں نہ میں اس کی زبان درازی کے ایک عیب کو اس کی خاطر برداشت کرلوں؟ اس نے کہا میری بیوی کا بھی یہی حال ہے، فرمایا: تو بھی تحمل کرلے، میرے بھائی یہ مختصر سی زندگی کی بات ہے۔ (الکبائر: ص ۱۷۹)

مذکورہ بالا اسلامی تعلیمات ازدواجی زندگی کیلئے ایسے اصول ہیں کہ اگر فریقین میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کی فکر رکھے تو حقیقی معنوں میں زندگی کا لطف آجائے، اور ایسی نااتفاقیوں سے حفاظت ہوجائے جو خاندانوں کے بکھرنے اور اولاد کے بکھرنے کا سبب ہوجاتی ہیں۔

اسال اللّٰہ العفو والعافیة والتوفیق لما یحب ویرضی من القول والعمل والنیة والھدی، انه علی کل شئی قدیر

جاگنے کی دیر ہے

رستم خفتہ ہے تو کس بل نہیں ہے کم تیرا
جاگنے کی دیر ہے پھر ہے وہی دم خم تیرا
یہ اگر ہو جائے زائل نیند کا عالم ترا
چار سو دنیا میں لہرانے لگے پرچم ترا
مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
ماند سب ہوں مہر بن کر آشکارا تو بھی ہو

مجذوبؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْااَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَاراً

۱۲

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(سورۃ التحریم آیت نمبر:٦)

گھر والوں کی اصلاح وتربیت

اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور اہم امانت ہے، اسی کے ساتھ اپنے ماں باپ کے حق میں ــــــ اگر صالح وفرمانبردار ہوتو ــــــ جوانی میں دلچسپی ودلجمعی کا سامان، بڑھاپے میں عصائے پیری اور ہمت وقوت کا وسیلہ، اور مرنے کے بعد دعائے مغفرت، وصدقۂ جاریہ کا سبب ہے اور ــــــ اگر نافرمان وبدکردار ہوتو ــــــ زندگی میں سوہانِ روح اور موت کے بعد خسران وذلت کا سبب ہے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں ان میں انسان مرتبہ کے اعتبار سے سب سے اشرف وافضل ہے اور یہ بھی اسکی اشرفیت کی بات ہے کہ ساری مخلوق زندگی کے مقصد اور ان کے حصول کے ذرائع سے فطرۃً وخلقۃً واقف ہوتی ہے، مگر انسان کو انہی باتوں کا علم انبیاء وملائکہ کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے، البتہ ان سے ان علوم کو حاصل کرنے کی صلاحیت اسکے اندر خلقۃً رکھدی گئی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئاً وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(سورۃ النحل:۷۸)

اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اسطرح نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تاکہ تم (ان کے ذریعہ علم حاصل کرکے) اس کا شکرادا کرو۔

یعنی انسان کو جاہل مطلق مگر وسائل علم سے بھر پور آراستہ کر کے پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے بعد وہ کانوں سے سنکر اور آنکھوں سے دیکھ کر مجہولات کو معلومات یعنی نامعلوم کو معلوم بناتا اور اپنے دل کے خزینے میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ

ہیکہ انسان اپنی زندگی کی حقیقت اس کے مقصد اور اس مقصد کو پورا کرنے کے طریقوں کو جاننے کے لئے تعلیم و تربیت اور ماحول کا محتاج ہے۔

پھر اپنے بندوں کی یہ تعلیم و تربیت حق تعالیٰ شانہ اگر چاہتے تو خود ہی تکوینی طور پر فرمادیتے مگر اس کی مشیت وحکمت نے اس کو مناسب سمجھا کہ انسانوں ہی کے ذریعہ انسانوں کی تعلیم و تربیت ہو، اسلئے ہر پیدا ہونے والے کے لئے اسکے ماں باپ پر یہ حق رکھدیا کہ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا سامان کریں، ارشاد ہوا:

یَا اَیُّھَاالَّذِ یْنَ آمَنُوْا قُوْااَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَاراً

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

(سورۃ التحریم آیت:٦)

اسکی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں: یعنی اپنے اہل وعیال کو علم وادب سے آراستہ کرو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہیکہ اپنے اہل وعیال کو اللہ تعالیٰ کی طاعت وفرمانبرداری سکھاؤ، تقویٰ و پرہیزگاری کا پابند بناؤ، ذکر اللہ کی عادت ڈالو، تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور انہیں نارِ جہنم سے محفوظ رکھے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: اپنے گھر والوں کو اللہ سے ڈراؤ اور خود بھی ڈرتے رہو،

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور گناہوں سے نفرت کرنا سکھاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کا پابند بنانے کی ذمہ داری پوری کرو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی میں مبتلا نظر آئیں تو تنبیہ کر کے انہیں اس سے نکالو اور اگر وہ کسی حکم سے غفلت برت رہے ہوں تو انہیں توجہ دلا کر اور تعاون کر کے اس پر عمل کراؤ۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں: مسلمانوں پر اسکے اعزہ واقربا اور خادموں غلاموں کا حق

یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے فرائض واحکام سے واقف کراتے ہوئے ان پر عمل کروائیں اور محرمات ومنہیات سے آگاہ کر کے ان سے اجتناب کروائیں۔(تفسیر القرآن العظیم ۴/۲۹۱)

ایک جگہ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا (سورۃ طٰہٰ آیت:۱۳۲)

اے نبیؐ! آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اسکی پابندی کیجئے

ابن کثیر فرماتے ہیں: یعنی سب مسلمانوں اور اپنے گھر والوں کو نماز کا پابند کر کے انہیں عذاب الٰہی سے بچایئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے۔ (تفسیر القرآن العظیم:۳/۱۶۷)

ایک اور موقعہ پر ارشاد ہے:

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (سورۃ الشعراء آیت:۲۱۴)

اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایئے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر خاندان کے ایک ایک رشتہ دار کا نام لیکر انہیں اپنی نجات کا سامان کر لینے کا حکم دیا، گھر میں کھانے پر رشتہ داروں کو جمع کر کے عذابِ الٰہی سے ڈرایا، اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور پھوپی حضرت صفیہؓ سے نام بنام فرمایا کہ مجھ سے دنیا کی ضرورتوں کا سوال تو کر سکتے ہو مگر آخرت کی نجات کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف کرو میں اسکی پکڑ سے تمہیں ذرہ برابر بھی بچا نہیں سکتا۔

(تفسیر القرآن العظیم:۳/۳۲۹)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے، کیونکہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے، اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے ہی پرکھی جاتی ہے کہ ان پر اس کا کیا اثر ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اہل وعیال کو صالح اور دیندار بنانے کی ذمہ داری ماں باپ پر ہے، اور ایسی ہی اولاد دنیا وآخرت کی خوشیوں اور راحتوں کا سبب ہوتی ہے اور یہی اس نعمت کا شکر ہے۔

(تفسیر عثمانی:۳/۱۰۰)

سورۃ الفرقان میں اپنے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَاماً (سورۃ الفرقان آیت:۷۴)	اور جو لوگ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری عورتوں اور اولاد کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں پرہیزگاروں کا مقتدا بنا۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یعنی اللہ کے نیک بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ توحید وسنت پر قائم رہنے والی، شرک ومعصیت سے بچنے والی اولاد عطا فرما، تاکہ انکے اعمال واخلاق کو دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ رحمٰن کے خاص بندے اپنے اہل وعیال کیلئے اعمالِ صالحہ کی توفیق ملنے کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: اس میں اہل وعیال کی خوبصورتی، جمالِ ظاہری اور وسعتِ مالی کی دعا نہیں مانگی گئی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نیکوکاری کی التجا کی گئی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اللہ تعالیٰ اطاعت وفرمانبرداری اور تقویٰ وپرہیزگاری والے اعمال کرتا ہوا دیکھنے سے زیادہ حسین اور اس سے بڑھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنے والا اس دنیا میں کوئی منظر نہیں۔

(تفسیر القرآن العظیم ۳/۳۱۸)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

اللہ کے نیک اور متقی بندے اللہ تعالیٰ سے اپنے بال بچوں کی نیک سیرتی مانگتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ انہیں اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما کر ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دیجئے، اسلئے کہ مومن صادق جب اپنے اہل وعیال کو نیکی کاموں میں اور عبادتِ الٰہی میں اپنے ساتھ شریک دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور

ہوجاتا ہے، زندگی میں ان سے نفع کا امیدوار اور مرنے کے بعد ان کی ملاقات کا آرزومند رہتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے جانے سے مراد اولاد کا علم دین کی سرگرمیوں میں مشغول ہونا ہے کہ اس منظر کو دیکھ کر ماں باپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی منقول ہیکہ یہ دعا شروع زمانہ اسلام میں حضراتِ صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے، جب وہ مسلمان ہوتے اور انکے اعزہ واقربا اسلام سے محروم ہوتے تو ان کی ان محرومیوں کو دیکھ دیکھ کر ان کا دل کُڑھتا، خاندان والوں کی زیارت وملاقات آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کی خوشی وتفریح کا سبب ہونے کے بجائے انکے حق میں سوہانِ روح، رنج والم اور دل ودماغ کے گھٹن کا ذریعہ ہوجاتی۔ تب ان لوگوں کے دل بے اختیار پکار اٹھتے اے ہمارے پرودگار! ہمارے اہل خاندان کو ایمان وتوحید اور اطاعت کی توفیق عطا فرما کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما اور اس گھٹن اور رتکلیف کو ختم فرما۔

(روح المعانی:۱۹/۵۳)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: اہل وعیال کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک اور صالح بن جائیں، کیونکہ اولاد جب صالح ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اور اپنے ماں باپ کی فرمانبردار ہوتی ہے تو یقیناً آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت انسؓ کو دعا دی تھی **اللھم کثر ماله وولده وبارک له فیه** اے اللہ! اسکے مال واولاد میں زیادتی فرما اور اسے ان چیزوں میں برکت عطا فرما۔ واقعی اگر آدمی کے پاس خوبصورت، پاکدامن، پاکباز اور فرمانبردار بیوی، اسی طرح طرح اطاعت گذار، وفاشعار اور دین ودنیا کی ذمہ داریوں کو پورا کرنیوالی سمجھدار اولاد ہو تو ایسے شخص کی نگاہیں ساری دنیا سے کٹ کر اپنے گھر والوں پر مرکوز ہوجاتی ہیں، وہ دوسروں کی ازواج واولاد کی طرف نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھتا، اپنے ہی بال بچوں میں مگن ومسرور رہتا ہے، اسی کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور

وسکون کہتے ہیں جو اللہ کے نیک بندے اللہ سے طلب کرتے ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ۷/۶۵)

آیت کا دوسرا جز **و جعلنا للمتقین اماما** اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب کسی کے گھر والے صالح اور نیک ہونگے تو وہ صدر خاندان اوران کا بڑا ہونیکی وجہ سے وہ متقیوں کا امام ہی کہلایا جائیگا۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: انہوں نے چاہا کہ ان کی اولاد کی دینداری ان کی دینداری سے ماخوذ و متصل ہو۔یعنی ان کے ذریعہ اوران کی تربیت سے حاصل ہوتی ہو، پھران سے دوسروں کو ہدایت ملے، اسطرح سلسلۂ ہدایت آگے بڑھتا رہے، ظاہر ہیکہ اس کا ثواب صرف اپنے نیک بن جانے کے ثواب سے کہیں زیادہ ہے، اسلئے اہل اللہ اسکی تمنا کرتے تھے۔ (ایضاً)

ابن کثیرؒ نے اس جگہ مسند احمد کے حوالہ سے بسندِ معتبر ایک واقعہ بڑا چشم کشا اور ایمان افروز نقل فرمایا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت مقداد بن اسودؓ ایک دفعہ کہیں تشریف فرما تھے، کوئی صاحب ادھر سے گذرے تو انہوں نے دریافت فرمایا: یہ کون صاحب ہیں؟ تعارف پر جب معلوم ہوا کہ یہ صحابیٔ رسول ہیں تو بڑی مسرت اور انتہائی خوشی سے قریب آکر ملاقات کی، اور کہنے لگے! سبحان اللہ! یہ آنکھیں کتنی مبارک ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت کی ہیں، ہماری تو تمنا اور حسرت ہی رہ گئی کہ کاش! ہم بھی وہ مبارک زمانہ پاتے جو آپ نے پایا اور وہ مناظر دیکھتے جو آپ نے دیکھے ہیں۔ یہ سنکر حضرت مقدادؓ کو بہت غصہ آیا، انہوں نے اس حسرت وافسوس پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اس شخص سے فرمایا! تم کو ایسی تمنا کرنے کی جرأت کیسے ہوگئی جس کا خیر یا شر ہونا اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب میں پوشیدہ ہے۔تم کہتے ہو کہ کاش! ہم رسولِ خدا کے زمانہ میں ہوتے، حالانکہ اللہ کی قسم! ان کے پاس ایسے

لوگ بھی آئے جنہوں نے ان کی زیارت کی صحبت میں رہے مگر انہیں ایمان کی توفیق نہ ملی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ناقدری کی پاداش میں انہیں اوندھے منہ جہنم میں ڈھکیل دیا۔ تم لوگوں کو چاہئے کہ ایسی فضول تمنا اور بے مطلب حسرت کے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرو کہ اس نے تمہیں ایسے گھر میں پیدا کیا ہے جہاں آنکھ کھولنے کے بعد تم نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی رب نہیں سنا، دین اسلام کے علاوہ کوئی دین نہیں معلوم ہوا، اس کی برکت سے تمہیں اللہ تعالیٰ کو معبود برحق ماننے اور اپنے نبی کے دین کو سچا یقین کرنے کے لئے کسی آزمائش میں پڑنا نہیں پڑا، اور اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ سے تم کو بچالیا۔ سنو! نبی کریم ﷺ ایک ایسی بدترین قوم کی طرف مبعوث کیئے گئے تھے کہ کوئی نبی اس سے بدترین قوم کی جانب مبعوث نہیں کیئے گئے، وہ لوگ بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہیں سمجھتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پر قرآن مجید نازل فرمایا تو قرآن نے جہاں حق و باطل میں تفریق کردی وہیں خاندانوں میں بھی ایمان لانے اور نہ لانیوالوں میں بانٹ دیا، اب ایک باپ ایمان لاتا اور اپنے بیٹے کو بے ایمان دیکھتا، کوئی بیٹا مومن ہوتا اور اپنے باپ کو کفر پر دیکھتا، کوئی بھائی مسلمان ہوتا اور اپنے بھائی کو شرک پر پاتا تو اس کا دل ان کی اس محرومی پر بھر آتا اور اسے یہ ڈر ستا تا رہتا کہ اگر یہ ایمان لائے بغیر ہی مرجائے تو سیدھے جہنم میں جائیگا، پس اس زمانہ میں ہماری صورتحال یہ تھی کہ ہم اپنے عزیزوں اور محبوبوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے بجائے غمزدہ ہوتے، ہمارے دل دُکھتے یہ جانتے ہوئے کہ ہمارا بیٹا یا باپ یا ماں یا بھائی ایمان نہ لاکر جہنمی بن رہا ہے ہم کیسے سکون وسرور سے رہ سکتے تھے۔ ہمارے دل پکار اٹھتے رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ۔ (تفسیر القرآن العظیم: ۳/ ۳۱۸)

حاصل یہ ہیکہ اہل وعیال، بال بچوں اور کنبے برادری کا صاحبِ ایمان ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور بڑی مہربانی ہے، اور جنہیں یہ نعمت ملی ہوئی ہے ان پر لازم ہیکہ وہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے دین و ایمان، اعمال و اخلاق اور صلاح و تقویٰ کی

حفاظت اور اسمیں ترقی کی فکر کریں۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے رہیں۔

اسی وجہ سے احادیثِ شریفہ میں بھی اہل وعیال کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں بہت تاکید آئی ہے، ان کی تربیت اور اس کے سلسلہ میں پیش آنیوالی کلفتوں کو برداشت کرنے پر اجر وثواب کی خوشخبری سنائی گئی ہے، تربیت نہ کرنے اور اس کے نتیجہ میں سامنے آنے والے فواحش ومنکرات پر سخت عذاب وعقاب سے خبردار کیا گیا ہے۔

ارشادِ نبویؐ ہے:

ما نحل والد ولداً من نحل افضل من ادب حسن

کوئی باپ اپنی اولاد کو حسنِ ادب سے بڑا تحفہ نہیں دیتا۔

(ترمذی:۳/۷۷۹)

یعنی کسی باپ نے اولاد کو مال ودولت، جائیداد وجاگیر، ڈگری وکرسی وغیرہ سب کچھ دیا مگر اخلاق وآداب کی تربیت نہیں کی تو اس نے اولاد کو کچھ بھی نہیں دیا، اور اگر اسلامی تربیت اور نبوی اخلاق سے آراستہ کیا مگر دنیا کی نسبت سے کچھ بھی نہ دے سکا تو بھی اس نے اولاد کو بڑی دولت اور عظیم نعمت دیدی۔

نیز ارشاد ہے:

من ولد له ولد فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فاذا بلغ ولم يزوج فاصاب اثما فانما اثمه على ابيه

(مشکوۃ:۳۱۳۸)

جس کے گھر اولاد ہو اسکو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے عمدہ اخلاق سکھلائے، پھر جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کردے، اسلئے کہ بلوغ کے بعد بھی وہ نکاح نہیں کریگا اور اسکی وجہ سے وہ لڑکا کسی برائی میں مبتلا ہوجائے گا تو اس کا گناہ باپ پر پڑیگا۔

اس میں اولاد کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی اوران کی حسنِ تعلیم وتربیت کا حکم دیا گیا، بلکہ ڈرایا گیا ہے کہ جب تک بچے والدین کے زیرِ سایہ رہیں گے ان کے گناہوں کے ماں باپ بھی ذمہ دار ہوں گے۔

تعلیم وتربیت کی ابتداء گویا کی ابتداء ہی سے کردینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

افتحوا صبیانکم اول کلمة بلا اله الا اللّٰه (اتحاف:۱۰/۲۵۷)

اپنے بچوں کو جب وہ بولنے لگیں تو پہلی بات لا الہ الا اللہ سکھلاؤ

اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ بچوں کی تربیت کیلئے گھر کا ماحول دینی واسلامی ہونا چاہئے، ذکر وتلاوت کی گونج رہنی چاہئے، بچہ جب بولنے لگے تو اسکی زبان سے اللہ کی بڑائی وکبریائی کے گن نکلیں، اور خود ماں باپ انہیں فضول باتیں سکھلانے کے بجائے سب سے پہلے کلمہ طیبہ رٹائیں تاکہ اسکی گفتگو کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہو، جس سے حسنِ خاتمہ کا فال نیک لیا جاسکے۔ صحابہ کرامؓ اپنے بچوں کو جب وہ بولنے لگتے تھے سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت: ''قل الحمد للّٰه الذی سے وکبرہ تکبیراً'' تک یاد کرادیتے تھے تاکہ اسکے دل میں روزِ اول ہی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت پیدا ہوجائے۔

اولاد کے اکرام اور حسنِ تربیت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

اکرموا اولادکم واحسنوا اُدابھم (ابن ماجہ۱/۲۱۴)

اپنے بچوں کی عزت واکرام کرو اور انہیں عمدہ اخلاق سکھلاؤ

آج کل بہت سے ماں باپ اولاد سے محبت وعزت کا برتاؤ نہیں کرتے، حالانکہ وہ اسکے محتاج ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں شعور آنے کے بعد وہ ماں باپ سے دور اور غیروں سے قریب ہوجاتے ہیں، خصوصاً اس زمانہ میں بہت بچے ماں باپ سے عزت واکرام کے بجائے توہین وتحقیر پاتے ہیں، والدین یا تو ان سے عزت ومحبت کا معاملہ

کرتے ہی نہیں یا پھر اندھی محبت کرتے ہیں کہ وہ کتنے ہی بے دین ہو جائیں محبت میں سب گوارا کرتے رہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے دونوں کاموں میں اکرام ومحبت اور تعلیم و تربیت کے درمیان بے اعتدالی ختم کر کے توازن پیدا فرما دیا۔یعنی اولاد کے ساتھ عزت افزائی ، ہمت افزائی اور پیار ومحبت کا معاملہ بھی کرو اور انہیں دین واخلاق بھی اعلیٰ درجہ کا سکھاتے رہو، نہ اس میں کوتاہی کرو نہ اس میں کمی گوارا کرو۔

اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع واضربوھم وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع (ابوداؤد ۱/۳/۵۷۳)	اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم دو، جب دس سال کے ہو جائیں تو تنبیہ وسختی سے نماز کا عادی بناؤ اور دس برس کے بچوں کے بچھونے بھی علاحدہ کرو۔

نماز دین کا ستون ہے،کلمہ طیبہ کی تلقین، اسلامی آداب کی تربیت کے بعد نماز کی تعلیم شروع کرو، اسلئے کہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں حاضری شعور وطہور کے ساتھ ہونی چاہئے، سات سال میں اچھے برے کی تمیز آجاتی ہے، یہاں سے نماز کی تربیت شروع کرو، دس سال میں بچے ماشاءاللہ اور سمجھدار ہو جاتے ہیں، اس عمر میں بندگی کے فرائض کی ادائیگی بالخصوص نماز کے مسئلہ میں کوتاہی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے ،تھوڑی سختی وتنبیہ کا استعمال بھی ضرورت پڑے تو کرنا چاہئے، تاکہ بلوغ سے قبل ہی اولاد فرائض زندگی کی پابند ہو جائے، اور یہ بڑی فضیلت وسعادت کی بات ہے، **شاب نشاء فی عبادة اللّٰہ** (مسلم:۲/۱۵/۷الزکاۃ) یعنی وہ نوجوان جو بچپن سے اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی میں پرورش پا کر بڑا ہوا ہو کو قیامت کے دن عرش کے سایہ میں اکرام کی خوشخبری سنائی گئی ہے

حدیث بالا میں ایک اور امر قابلِ غور ولائقِ توجہ ہے کہ آپ نے دس برس کے

بچوں کے لئے بستر الگ کردینے کو فرمایا ہے، کیونکہ یہ عمر اچھے بُرے احساسات کے شعور کی عمر ہے، ایکدوسرے سے جسمانی قربت میں اخلاقی نقصانات کا خطرہ ہوتا ہے، بالخصوص اس بے حیائی و بے حجابی کے دور میں تو اس کی سخت ضرورت ہے، اس حکم سے بہت مسلمان غافل ہیں، اسلئے تربیت کے معاملہ میں اس اہم تعلیم کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے، پھر یہ ایک حکیم ودانا مربی کا محض ایک اشارہ ہے، اور منشاء اس اختلاط باہمی سے روکنے اور عادات کی نگرانی رکھنے کی تعلیم دینا ہے جو بچوں کے اخلاقی اقدار پر منفی اثر ڈالنے والے ہیں۔ واللہ اعلم

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح اولاد کی صلاح وفلاح کا فائدہ وثمرہ والدین کو حاصل ہوتا ہے اسی طرح فساد و بگاڑ کے ذمہ دار بھی والدین ہی قرار دیئے جاتے ہیں۔

ارشاد نبویؐ ہے:

کل مولود یولد علی الفطرة وابواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه

ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے مگر اسکے ماں باپ اپنے ماحولوں کے ذریعہ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنادیتے ہیں۔

(سنن البیھقی: ۶/۳۳۵)

جب بے ایمان والدین کا گمراہ مذہب بچوں کی گمراہی کا سبب بنتا ہے تو مسلمان گھرانوں میں بھی والدین اور ان کے گھر کا ماحول جیسا ہوتا ہے بچے بھی ویسے ہی تربیت پاتے ہیں، اسلئے دین اسلام کے تحفظ اور اپنی نسلوں میں اس کی منتقلی کیلئے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دیانت وامانت، تقویٰ وطہارت کی روش پر رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اولاد کی طرح بیویوں اور دیگر عزیزوں ـــــ جو گھر میں رہتے ہیں ـــــ کی تربیت بھی **واھلیکم** میں داخل ہے خاص طور سے بیویوں کی اسلامی تعلیم وتربیت شوہروں کا اہم فریضہ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے اعمال واخلاق پر گہری نظر رکھتے تھے، اور بڑی حکمت ومصلحت اور محبت ومودت سے ان کی اصلاح فرماتے رہتے تھے۔ان کے دین کی ترقی اور صلاح وتقویٰ میں افزودگی کی سعی بھی فرماتے رہتے تھے، نیز اپنی امت کو بھی اس کی ہدایت دیتے تھے کہ وہ اپنے گھر والوں سے غافل نہ رہیں بلکہ انہیں وقتاً فوقتاً اسلامی تعلیمات اور قرآنی ہدایات سے واقف کراتے رہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے گھر میں کوئی اہم صورتحال پیش آتی تو آپ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا اصابہ خصاصۃ نادیٰ اھلہ ، یااھلاہ صلّوا صلّوا (تفسیر ابن کثیر:)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تنگی پیش آتی تو اپنے گھر والوں سے فرماتے،نماز پڑھو،نماز پڑھو۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ رات میں جب تہجد سے فارغ ہوتے تو حضرت عائشہؓ کو بھی اٹھاتے اور فرماتے: **یاعائشۃ ! قومی و اوتری** عائشہ! اٹھو اور وتر ادا کرلو، واضح رہے کہ تہجد کے پابند لوگوں کیلئے مسنون یہی ہے کہ نماز وتر نمازِ تہجد کے بعد ادا کریں۔ (مسلم:۱/۵۱۱صلوۃ المسافر)

اسی طرح حضرت عائشہؓ کو معمولی گناہوں کو ہلکا سا نہ سمجھنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ایاک ومحقرات الذنوب فان لھا من اللّٰہ طالبا (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

عائشہ! ہلکے پھلکے (صغیرہ) گناہوں سے بھی بچا کرو، اس لئے کہ عنداللہ ان کا بھی مواخذہ ہوگا۔

نیز آپ نے میاں بیوی کے اس جوڑے کو مبارکباد اور دعا دی جسکو رات میں اُٹھنے کی توفیق ہو جاتی ہے تو ایکدوسرے کو محبت سے جگا کر عبادت میں شامل کر لیتے ہیں۔ (سنن بیہقی:۲/۷۰۶)

اسی طرح رمضان المبارک کے اخیر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری وعبادت گذاری میں اضافہ فرمادیتے تھے تو گھر والوں کو بھی جگاتے اور عبادت میں لگاتے تھے، **احیالیله و ایقظ اهله** (بخاری:۲/۲۵۵)

ماردھاڑ اور ظلم وجبر تو آپ کو پسند نہیں تھا، لیکن آپ نے اہل وعیال کی تنبیہ کیلئے گھر میں کوڑا لٹکا کے رکھنے کا حکم دیا، تا کہ بالکل بھی بے خوف ونڈر نہ ہو جائیں، اور تا کہ تربیت میں مدد ملے۔

علقوا السوط فی البیوت فانه ادبا لهم	گھروں میں کوڑا لٹکائے رکھو کیونکہ وہ گھر والوں کے سنبھل کر رہنے کا سبب ہے۔
(مجمع الزوائد:۸/۱۰۶)	

تربیت کے سلسلہ میں ہر ایک کو مسئول قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کلکم راع کلکم مسئول فالامیر راع علی الناس وهو مسئول والرجل راع علی اهله وهو مسئول والمرأة راعية علی بیت زوجها وهی مسئولة	تم سب ذمہ دار ہو اور تم سے ماتحتوں کا مواخذہ ہونے والا ہے، امیر رعایا کا ذمہ دار ہے، اور انکے بارے میں جوابدہ ہے، مرد گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور انکے بارے میں جوابدہ ہے عورت شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور وہ اسکے بارے میں جوابدہ ہے۔
(بخاری:۶/۱۴۶)	

یعنی معاشرہ کا ہر فرد اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی کا پابند

ہے، یہ پابندی ایسی اہم ہے کہ عند اللہ اس میں کوتاہی کا مواخذہ ہوگا، اور اس شخص کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔

یہ اور ان جیسی بے شمار روایات و واقعات ہمیں سبق دیتے ہیں کہ گھر والوں کی تعلیم و تربیت بڑی ذمہ داری ہے اور اس کے بغیر صالح معاشرہ کا تصور محال ہے۔

یہ عنوان بڑا تفصیل طلب اور مستقل توجہ چاہتا ہے، کتاب و سنت میں تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں جو ارشادات ملتے ہیں، وہ حصر و شمار سے زیادہ ہیں، خصوصاً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم و تربیت سمجھنے اور سیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، نہایت مفید اور زود اثر انداز ہوتا تھا، اس میں شفقت، نرمی، تحمل، مزاجوں اور مرتبوں کی رعایت، عمروں کا فرق، وغیرہ بہت سے پہلو ہیں جن کی رعایت تربیت کے عمل میں انتہائی ضروری ہے، جو آج نہ ماں باپ میں پائے جاتے ہیں اور نہ ہی اساتذہ میں۔ لیکن اس وقت تفصیل کا بالکل موقعہ نہیں۔ میں اس رسالہ کا اختتام اس مضمون پر کرنے کی غرض سے فوری طور پر جو کچھ ذہن میں آیا تحریر کر دیا ہے، منشاء صرف یہ بتانا ہے کہ شادی کے بعد اگر خوشگوار زندگی گذارنا اور اپنے خاندان کو راحت و مسرت کا سامان بنانا چاہتے ہیں تو بال بچوں کی اور خود اپنی اصلاح و تربیت کے مسئلہ کو اہمیت دینا اور مخلصانہ جدوجہد کرنا ہوگا۔ اسی میں دنیا کی خوشی اور آخرت کی کامیابی مضمر ہے، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔

صرف ایک ہی راہِ نجات ہے

آخر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ایک آخری پکار نقل کر کے بات ختم کی جاتی ہے، ایک خطبہ میں وہ فرماتے ہیں:

آج سب کچھ چھوڑ کے تم سے ایک یہی آخری بات کہنا چاہتا ہوں، اور یقین کرو کہ اس کے سوا جو کچھ کہا جاتا ہے اگر وہ اس بات کیلئے نہیں کہا جاتا تو سب کچھ بیکار ہے، اور اس میں تمہارے لئے کوئی برکت و امن نہیں، سو یاد رکھو اور ماننے کیلئے جھک جاؤ کہ

تمہاری زندگی کا ہر عمل بیکار ہے اور تمہاری فکروں میں کی ہر فکر گمراہی وضلالت ہے، تمہارے لئے صرف ایک ہی راہِ نجات ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چھٹکارا نہیں، تم جب تک اس پہلی منزل سے نہ گذرو گے، اس وقت تک خدا کا قہر تم پر سے ٹھنڈا نہ ہوگا، اور تم کبھی مراد و خوشحالی نہ پاؤ گے، تمہارے سفرِ عمل کا پہلا قدم یہ ہے کہ توبہ کرو، توبہ کرو اپنی تمام قوتوں اور تمام طاقتوں کے ساتھ خدا کے آگے جھک جاؤ، اسکے آگے اس طرح گرو اور اسطرح روؤ اور اس قدر تڑپو کہ اسے تم پر پیار آجائے اور وہ تمہیں پہلے کی طرح پھر اپنی گود میں اٹھالے، اور سب کچھ تمہیں کو دیدے، جس طرح کہ سب کچھ تمہیں بخش دیا تھا، تم نے غفلت کو خوب آزمالیا، تم نے نافرمانیوں کی صدیوں تک کڑواہٹ چکھ لی، تم نے گناہ اور معصیت کے پھل سے اچھی طرح اپنے دامن بھر لئے، تم نے دیکھ لیا کہ ایک خدا کی چوکھٹ سے تم نے سرکشی کی تو کس طرح ساری دنیا تم سے سرکش ہوگئی، ایک اسکے روٹھنے سے کس طرح تمام دنیا تم سے روٹھ گئی، پس مان جاؤ اور اب بھی باز آجاؤ، گناہوں کو آزما چکے۔ آو! تقویٰ اور راست بازی کو بھی آزمالیں، سرکشیوں کو چکھ چکے، آؤ! طاعت کا مزہ بھی دیکھ لیں، غیروں سے رشتہ جوڑ کر تجربہ کر چکے، آؤ! اسی ایک سے پھر کیوں نہ جڑ جائیں جس سے کٹ کر ذلتوں اور خواریوں ٹھوکروں اور ماندگیوں کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہ آیا! (تحریکِ آزادی اور مسلمان)